اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ و خط و کتابت
مولانا احسن خدامی صاحب، جامع مسجد برکت علی
مدینہ بازار، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مدیر مسئول: احسن خدامی 0333-8765602
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 20......زر سالانہ: 240 روپے

انجم نیازی

حمد باری تعالیٰ

مرے حرف و قلم تیرے لیے ہیں
مرے سارے علَم تیرے لیے ہیں
مرے گرتے ہوئے اشکِ ندامت
مری پلکوں کے نم تیرے لیے ہیں
تری خاطر مری ساری ہی خوشیاں
مرے سارے ہی غم تیرے لیے ہیں
مری ہر جُنبشِ لب تُجھ پہ صدقے
مرے بوڑھے قدم تیرے لیے ہیں
مری ساری مساجد اور سجدے
مرے سارے حرم تیرے لیے ہیں
بدن پر جس قدر ہیں بال یا رب!
یہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے لیے ہیں
مرے مال اور جاں کے سارے رستے
مجھے تیری قسم تیرے لیے ہیں

اَصحَابُ النّبِیِّ الکَرِیم......فِی آیاتِ القُرآنِ الحَکیم

ایک عظیم قلمی پیشکش

کوئی دو برس قبل برادرِ مکرم مولانا رب نواز حنفی (خطیب جامع مسجد صدیق اکبرؓ کراچی) نے میرے سامنے ایک خوبصورت تمنا اور حسین آرزو کا اظہار فرمایا کہ ''قرآن مجید کی ان آیات کو جمع کر کے ان کی تفسیر وتوضیح شائع کی جائے جن میں صحابہ کرامؓ کی منقبت اور مدح سرائی ہو'' میں اپنی علمی کم مائیگی اور قلمی بے بضاعتی کے پیشِ نظر ہمت نہ کر سکا اور معذرت کر لی، تاہم میرے دل میں بھی یہ خواہش مچلنے لگی کہ اس اہم موضوع کی طرف کسی صاحبِ قلم اور باصلاحیت صاحبِ مطالعہ کو توجہ دینا چاہئے، کچھ عرصہ کے بعد برادرِ مکرم حضرت مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ روح پرور خوشخبری سنائی کہ وہ اس موضوع پر کام کر رہے ہیں، یہ فرحت بخش خبر سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، میں نے اس کی اطلاع مولانا رب نواز حنفی صاحب کو دی تو وہ بھی بے حد مسرور ہوئے۔

مولانا شجاع آبادی کا قلم بڑی سرعت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف دوڑتا رہا اور بہت جلدی انہوں نے یہ مژدہ سنایا کہ کتاب تکمیل کے مرحلہ کو پہنچ گئی ہے، مجھے بے کراں مسرت ہوئی۔انہوں نے راقم سے نام کا مشورہ کیا تو میں نے ''اصحاب النبی الکریم فی آیات القرآن العظیم'' تجویز کیا جسے انہوں نے معمولی ترمیم کے ساتھ قبولیت کا شرف بخشا اور اب وہ عظیم پیشکش ''اصحاب النبی الکریم فی آیات القرآن الحکیم'' کے نام سے میرے سامنے ہے۔

یہ کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد قریباً سات سو(۷۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، دوسری جلد چھ سو(٦٠٠) صفحات کے لگ بھگ ہے، جبکہ تیسری جلد پانچ سو(۵۰۰) صفحات سے متجاوز ہے، اس اٹھارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں ایک ہزار سے زائد آیات کی تفسیر وتوضیح ہے اور یہ وہ آیات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی تربیت یافتہ پاکیزہ جماعت کی منقبت پر دلالت کرتی ہیں۔کتاب کے شروع میں حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب مدظلہم کا چودہ (۱۴) صفحات پر مشتمل وقیع مقدمہ بھی ہے جس نے کتاب کی استنادی حیثیت کو مزید تقویت دی اور چودہ (۱۴) صفحات پر مشتمل خود مؤلف کا مقدمہ بھی لائق مطالعہ ہے،

کتاب کے آخر میں ان آیات کا نقشہ بھی دیا گیا ہے جو صحابہ کرامؓ کے متعلق ہیں۔

حضرت مولانا ثناء اللہ سعد مدظلہ کو حق جل سلطانہ نے متنوع صفات سے نوازا ہے، وہ دورِ طالبعلمی سے ہی اپنی قلمی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں، اب تک ان کی دسیوں کتب عوام وخواص میں قبولیت کا اعزاز حاصل کر چکی ہیں، دفاعِ صحابہؓ اُن کا خاص میدان ہے، زیرِ نظر کتاب مولانا کی انہی صلاحیتوں کا حسین عکاس ہے، اور بلاشبہ مولانا اس مقدس فریضہ کی انجام دہی پر تمام ملتِ اسلامیہ کی طرف سے خراجِ عقیدت کے سزوار ہیں، کتاب کا ایک ایک صفحہ اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے اور دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے۔ کتاب کا موضوع بھی منفرد ہے اور طرزِ تحریر بھی اچھوتا ہے، اس کتاب میں درج معلومات ایمان افروز بھی ہیں اور مؤلف کی انتھک کاوش کا خوبصورت شاہکار بھی، اس کتاب میں حبّ صحابہؓ واہل بیتؓ کے اسباق بھی ہیں اور دفاعِ صحابہؓ واہل بیتؓ کے دروس بھی، یہ کتاب شہداء ناموس صحابہؓ کی تمناؤں کی تکمیل بھی ہے اور غلامانِ صحابہؓ کی آرزوؤں کا مظہر بھی، اس کتاب میں اہل سنت کے ایمان کی تازگی کا سامان بھی ہے اور عظمت ومقامِ صحابہؓ کو سمجھنے کے لئے دلائل کا خزینہ بھی، غرض یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر گھرانے کی زینت اور ہر کتب خانہ اور لائبریری کا سنگھار ہو۔ اللہ تعالیٰ اہلِ سنت کو اس کتاب کی قدر کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں، ہماری پر زور اپیل ہے کہ اس کتاب کو خریدنے اور عام کرنے کے لئے دستِ شوق بھی بڑھایا جائے۔ امید ہے ہماری یہ گذارش شرف قبولیت کا اعزاز حاصل کر یگی۔ واللہ الموفق۔

برائے رابطہ: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی۔ 0300-6379821

ضبط وترتیب: ماسٹر منظور حسین صاحب

تاریخ بیان: ۱۳دسمبر ۱۹۷۰......۱۳شوال ۱۳۹۰ھ

الیکشن کے بعد بیان

خطاب: قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

هَـذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (138) وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْـلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (139) إِن يَـمْسَسْـكُـمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّـامُ نُـدَاوِلُهَـا بَيْـنَ الـنَّـاسِ وَلِيَـعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الـظَّالِمِينَ (140) وَلِيُـمَـحِّـصَ الـلّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ (141) أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَـدْخُـلُـواْ الْـجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (142) وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ (143) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَـدْ خَـلَـتْ مِـن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَـن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ (144) وَمَـا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلاَّ بِإِذْنِ الـلـه كِتَـاباً مُّـؤَجَّلاً وَمَـن يُـرِدْ ثَـوَابَ الـدُّنْيَـا نُـؤْتِـهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ (145) وَكَـأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَا أَصَابَهُمْ فِـي سَبِيْـلِ اللّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا اسْتَكَانُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (146) وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَن قَـالُواْ ربَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (147) فَآتَاهُمُ اللّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (148)[آل عمران. رکوع ۱۴]

یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ڈروالوں کو۔ اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم نے زخم پایا تو وہ لوگ بھی پا چکے زخم ایسا ہی۔ اور یہ دن بدلتے رہتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے بعضے تم میں شہید۔ اور اللہ چاہتا نہیں ناحق والوں کو۔ اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دے منکروں کو۔ کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی معلوم نہیں کئے اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم کرے

ثابت رہنے والے۔اورتم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اسکی ملاقات سے پہلے سواب دیکھا تم نے اسکو آنکھوں کے سامنے۔اور محمد تو ایک رسولؐ ہے، ہوچکے پہلے اس سے بہت رسولؐ۔پھر کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ۔اور اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو۔اور کوئی جی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے،لکھا ہوا وعدہ اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا،اس میں سے دینگے اسکو اور ہم ثواب دینگے احسان ماننے والوں کو۔اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب۔پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں،نہ دب گئے ہیں۔اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو۔اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ:اے رب ہمارے!بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں۔اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور مدد دے ہم کو منکر قوم پر۔پھر دیا انکو اللہ نے ثواب دنیا کا بھی اور خوب ثواب آخرت کا بھی۔اور اللہ چاہتے ہیں نیکی والوں کو۔[ترجمہ از شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن۔]

نازک حالات میں قرآن کی رہنمائی:

اللہ تعالیٰ کا قرآن اس دنیا میں اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ قیامت تک ہر زمانے میں ہر جگہ کیسے ہی حالات ہوں،اللہ تعالیٰ اس قرآن مجید میں انسانوں کی راہنمائی فرماتے ہیں،یعنی ان کیلئے ایک راستہ صحیح قرآن مجید کی روشنی میں کھلا ہوا ہو اور اسی مقصد کیلئے قیامت تک قرآن مجید محفوظ ہے۔آج جو پاکستان کے حالات ہیں،قرآن مجید کو پڑھا جائے،سمجھا جائے،ان حالات میں بھی مسلمانوں کو راہنمائی ملے گی۔حالانکہ تقریباً چودہ سو سال پہلے یہ قرآن مجید آسمان سے نازل ہوا ہے۔لیکن آج بھی اس کی آیات اور اس کے احکام سخت سے سخت نازک حالات میں بھی ہماری راہنمائی کے لیے کافی ہیں۔صرف کمی اس بات کی ہے کہ ہم کوئی راستہ تجویز کرتے ہیں دنیاوی فلاح یا کامیابی کا،تو قرآن کی روشنی میں تجویز نہیں کرتے،الا ماشاء اللہ۔یہ کمی ہے۔اور جب تک یہ کمی دور نہیں ہوگی اور ہمارا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوگا،ہم بحیثیت اسلام کے کامیاب نہیں ہوسکتے،کیونکہ اسلامی غلبہ اور اسلامی کامیابی تو اللہ کے احکام کی اتباع کے اور سرکار دو عالم ﷺ کی اسوہ حسنہ کی پیروی کے سوا نہیں۔عام غلبہ تو ہے(کہ کبھی)ایک پارٹی کامیاب ہوگئی،(کبھی)دوسری پارٹی۔یہ کافر ملکوں میں بھی ہو رہا ہے۔جنگی اعتبار سے ہو یا سیاسی اور اعتقادی اعتبار سے یہ انقلاب،پارٹیوں کا پارٹیوں کی جگہ لینا،یہ تو ہر جگہ جاری ہے۔لیکن اسے کوئی اسلامی انقلاب نہیں کہتا۔ابھی وہ اسلامی مقاصد کی بنیاد پر نہیں،ابھی اس کی ضرورت ہے۔اور بالخصوص پاکستان کی نظریاتی بنیاد ہی اسلام ہے۔اسی بنیاد اور کشمکش میں یہ مسلمانوں کو آئینی طور پر ملا ہے،اس لیے پاکستان میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری مسئلہ یہ ہے کہ جس نظریہ اسلام پر

پاکستان عالم وجود میں آیا اس نظریے کا غلبہ ہو، قوم یہی رہے گی، اگر کوئی مر جائے گا تو دوسرا کوئی آ جائے گا، حکومتیں آتی جاتی رہیں گی، سیاستدان ہاریں گے جیتیں گے، یہ سلسلہ تو جاری رہے گا، ہم نے ان تمام نتائج سے بالاتر ہو کر یہ سوچنا ہے کہ اسلام یہاں کیسے غالب ہوگا؟ یہ ہمارا مقصد ہے، ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ تیئیس (۲۳) سال قوم نے باقی سب کچھ کیا، لیکن اسلام کیلئے بہت کم کیا۔ خاص کر اہل اقتدار طبقہ نے۔ دولت اور عزت والوں نے اپنی عزت اور دولت کو بنانے کی فکر تو کی لیکن اسلام کی ترقی اور حفاظت کے لیے انہوں نے کچھ نہ کیا......ورنہ پاکستان میں اسلام آئینی طور پر غالب ہو جاتا، قرآن کا نظام نافذ ہوتا۔

ماننے والے تو بہت ہیں، ساتھ دینے والے تھوڑے ہیں، ماننا اور ہے اور ساتھ دینا اور ہے۔ زبان یا قلم سے ماننا آسان ہے، عمل سے وفا مشکل ہے، حمایت نہیں، یہی امتحان ہے، امتحان ہے بھی یہی، ورنہ ہر آدمی پکا مسلمان ہے، زبان سے ۷ ستمبر کے انتخابات کے نتائج کیلئے ساری دنیا منتظر تھی۔ کیونکہ یہ الیکشن اور انتخابات جو ہیں یہ اب بین الاقوامی مسائل ہیں، دوسرے ممالک کے مبصرین یہ دیکھتے ہیں کہ کس ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ اور کیسے ہو رہا ہے؟ ۷ ستمبر کے انتخابات کا نتیجہ آپ کے سامنے آ گیا تمام صوبوں کا، صرف اب سمجھنا یہ ہے کہ یہ نتائج کیوں نکلے؟ کیسے نکلے؟ مسلمانوں نے اپنے دین و ایمان کے لیے کیا محنت کی؟ کس کا ساتھ دیا؟ کس کا ساتھ چھوڑا؟ کیوں ساتھ دیا؟ کیوں چھوڑا؟ اصل میں اس کی تشخیص کرنی ہے، ہمارا ذہن اور تجربہ یہ ہے کہ سیاست اور ووٹ ایک ایسی چیز ہے موجودہ سیاسی دور میں کہ خود مسلمان بھی اس راستے سے اسلام نہیں چاہتا۔ وہ ووٹ اور سیاست کے راستے پر چلتا ہے، لیکن اسلام کو نظر انداز کر کے۔ اس وقت وہ یہ نہیں دیکھتا، اس وقت دیکھتا ہے اپنا ذاتی اقتدار یا پارٹی کا صرف اور اس میں کئی غرضیں ہوتی ہیں، مانتا وہ بھی ہے اسلام کو، یہ جو آج اسلام پسند کی اصطلاح ہے، یہ اصطلاح بے معنی ہے، ہر آدمی ہاتھ کھڑے کرے گا کہ میں اسلام کو پسند کرتا ہوں، اس کا مفہوم حقیقت میں ہے کہ نہیں، صرف یہ دیکھنا ہے کہ عملاً اسلام کے ساتھ کون چلتا ہے؟ لفظ نہیں۔ جتنی پارٹیاں اس میدان میں آئیں، کامیاب ہوئیں یا ناکامیاب، ان پارٹیوں کے مقاصد دیکھیں، ان کے لیڈروں اور ان کے قائدین کے ایمان اور کردار دیکھیں، ہارنے والے یا جیتنے والے، تو آپ اس حقیقت تک پہنچیں گے کہ بہت کم لوگ اس میدان میں صرف اسلام اور قرآن کے لیے آئے ہیں نیت کے اعتبار سے، استعمال سب نے اسلام کو کیا، لیکن نیت اور مقصد کے لحاظ سے بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے سیاست میں حصہ لیا، اس الیکشن میں حصہ لیا، یہ حقیقت ہے، اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ جو ہارے ہیں ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو اللہ نے پاکستان میں تیئیس سال میں اقتدار دیا تھا......اس وقت انہوں نے کیا کِیا اسلام کے لیے؟ اور زیادہ وہی ستون گرے ہیں اور یہ ردعمل ہے۔ قانون قدرت ہے، ان کو مہلت

اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ نہیں دینا چاہتے، تیئیس سال بڑی مہلت ہے، ان میں سے کوئی اتحاد کا کامیاب ہوا ہے تو اس کو کسی حکمت کے ماتحت اللہ نے مہلت دے دی ہے، نمونہ کے طور پر رکھ دیا ورنہ عموماً پارٹیوں کی حیثیت سے تمام ختم ہو چکی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ نئی باتیں نئے نظریات، الیکشن کے ذریعہ گویا غالب آئے، کیونکہ ایک گرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا ضرور لیتا ہے۔ ایک یہ بھی دور تھا کہ پاکستان سمیت متحدہ ہندوستان میں انگریز کا، فرنگی کا، کافر کا اقتدار تھا، سب اس کے ماتحت تھا، لیکن انگریز با اقتدار ہو کر یہ نہیں کہ وہ حق پر ثابت ہو گیا اور جو اسلام کا حامی تھا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا، وہ مغلوب ثابت ہو گیا، وہ جو کچھ تھا وہی رہا، اس وقت بھی سزا تھی اب بھی سزا ہے، جب مسلمان مجموعی حیثیت سے کمزور ہو گئے، تو اللہ نے انگریز کو مسلط کر دیا۔ یہ بھی ایک نتیجہ تھا۔ اور جب پاکستان آزاد ہوا اور ہندوستان آزاد ہوا، اور پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا...... چاہے کوئی مر جائے کوئی زندہ رہے، اقتدار سے معزول نہ ہو، اب نیا ردِ عمل اور نتیجہ جو نکلا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور یہ بھی اسلام کے خلاف ہے، اسلام کے حق میں نہیں ہے، یہ بھی سزا ہے، لیکن مسلمان کے لیے مایوسی بُری بات ہے۔ کسی کے سامنے اپنی زندگی گزارنے کا کوئی مقصد اور اصول ہو تو اس کے لیے مایوسی کا معنی یہ ہے کہ وہ اور زیادہ پیچھے جائے گا۔ اور یہی امتحان ہے، تاریخ جو ہے وہ سبق دیتی ہے، تنبیہ کرتی ہے...... ان کے لیے تنبیہ یہ ہے کہ اب تو صرف دنیاوی کاروبار اور مقاصد کو چھوڑ کر صرف دین کے لیے کوشش کرو! اب بھی نہیں کرو گے تو اور ذلت کا عذاب آئے گا، عذاب کی (مختلف) شکلیں ہیں، پہلی قوموں میں عذاب کی شکلیں یہ تھیں کہ بالکل ختم ہو جاتی تھیں، ختم کر دی جاتی تھیں، ہلاک کر دی جاتی تھیں، لیکن اس امت نے رہنا ہے۔

جنگ اُحد کے اُصول ہر جنگ میں راہ نما ہیں، خواہ سیاسی ہو یا نظریاتی:

میں نے جو آیات پڑھی ہیں وہ سورہ آل عمران کی ہیں۔ ایک بہت بڑی تاریخی جنگ جس کا نام جنگ احد ہے اس کے تذکرے میں ہیں، وہ ہتھیار کی جنگ تھی، لیکن اس میں جو اُصول اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سمجھائے ہیں وہی اصول ہر جنگ میں کارفرما ہونگے، خواہ وہ سیاسی جنگ ہو، خواہ وہ انتخاب کی جنگ ہو، خواہ وہ نظریاتی جنگ ہو، جب ٹکراؤ اور کشمکش اور تصادم مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں ہو تو قرآن مجید کے بیان کردہ جنگ اُحد اور جنگ بدر کے اُصول ہمارے سامنے ہونگے۔ اس لیے میں نے یہ آیات پڑھی ہیں، اس میں سے صرف اتنا حصہ چھوڑ کر کہ یہ ہتھیار کی جنگ تھی، تلوار اور تیر کی جنگ تھی، باقی سب پاکستان کے اس ٹکراؤ اور نظریاتی کشمکش پر چسپاں کر لو تو پورا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب معجزانہ انداز سے حقائق سمجھائے۔ یہ آیات ہر قاری پڑھتا ہے، تراویح میں ہر حافظ سناتا ہے...... لیکن اس کی بنیاد پر ہم

اسلام کے لیے کچھ کریں یہ بہت کم ذہنوں میں ہے، تلاوت ہے زبان کی، میدان میں وہ نہیں۔

ایک تو اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا ہے کہ: اللہ کی حکمت یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی حق پر ہو......صورتاً یہ ضروری نہیں ہے جو ایک حق پر ہو ظاہری شکل میں بھی وہی کامیاب ہو، ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کون بڑا ہے؟ وہ تو حق لانے والے ہیں، اور امام الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے تو اللہ کی مخلوق میں کوئی بڑا ہے ہی نہیں۔ اور ہر نمونہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی زندگی میں دکھلا دیا کہ ہر زمانے میں مسلمان وہ نمونہ دیکھیں، مایوس نہ ہوں، کام کریں۔ اگر حضور ﷺ اور صحابہ کرام کو ہمیشہ اور ہر مقام پر ظاہری فتح ہوتی، تو اگر ہمیں کسی دور میں کسی مقام پر ناکامی ہوتی تو ناکامی میں ہم کیا کرتے؟ کیوں کرتے؟ اس کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے تھا؟ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی حکمت کے ماتحت ایسی عظیم الشان کامیابی دی کہ اس پر فتح ہوئی۔ لیکن فوراً ہی دوسرے سال معاملہ برعکس تھا، دوسرے سال یہ حکمت تھی۔ اگر بدر میں ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تو احد میں ستر کامل الایمان اور جنتی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور رحمۃ للعالمین، خاتم النبین ﷺ خود موجود ہیں، اس میدان میں ہتھیار لگائے ہوئے ہیں، لڑ رہے ہیں، زخمی بھی ہو رہے ہیں، معلوم ہوا کہ ظاہری نتائج حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، خواہ اس کے اسباب کچھ ہوں، اصل دیکھنا یہ ہے کہ بدر ہے یا احد ہے، کس مقصد کے ماتحت صحابہ نے کفر سے جنگ لڑی، بس! ایک مقصد تھا مومنوں کے سامنے......وموعظة للمتقین یہ قرآن جو ہے یہ لوگوں کے لیے ایک بیان ہے۔ انسانوں کے لیے وھدیً اور ہدایت ہے، سیدھا رستہ دکھلانے والا اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور پرہیز کرنے والے ہیں، ان کے لیے یہ نصیحت ہے قرآن۔ یہ الفاظ اور آیت اس لیے ہے تاکہ مسلمان اللہ کے قرآن کو اس پہلو سے مانے کہ ہدایت اس کے راستے پر ہے۔

جنگ اُحد کی حکمتیں!

یہ اصول اور نتائج بیان کرنے کے بعد جنگ اُحد کی حکمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ ولاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ سستی نہ دکھلاؤ، غم مت کھاؤ۔ شکست کے بعد دونوں چیزیں ہوتی ہیں، کسی پہلو سے شکست ہو تو انسان یا جماعت پر دو قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بس ہمت ہار جاتے ہیں، ہمت چھوڑ دیتے ہیں کہ: جی! اب کیا کریں؟ مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، میدان سے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اندر ایک غم رکھتے ہیں، صدمہ اور دکھ رکھتے ہیں،

دونوں چیزیں جماعت کی ترقی کے لیے مضر ہیں، "لاتھنوا ولا تحزنوا" وہن بھی نہ ہو، سستی اور بے ہمتی بھی نہ ہو، اور غم بھی نہ ہو، منع فرمایا۔

صحابہ کو تسلی:

۱......اب اندازہ فرمایئے کہ جنگ اُحد میں ظاہری شکست کے بعد اگر مسلمانوں کے دل میں یہ تأثر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دُور فرمایا اور کہا کہ یہ نہ کرنا' وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" اگر تم ایمان والے ہو تو تمہیں غلبہ ہی ہوگا، تم غالب ہی رہو گے، ایمان کی راہ نہ چھوڑنا۔ اب سمجھئے! کیا جنگ اُحد میں بظاہر شکست نہیں ہوئی؟ کیا وہ ایمان والے نہیں تھے؟ اُن سے بڑھ کر کے تو کوئی انبیاء کے بعد ایمان والا ہے نہیں، معلوم ہوا کہ ''غلبہ'' کا معنی صرف ظاہری اور صورتاً نہیں ہوتا، حقیقتاً یہ ہے کہ جس مشن کے لیے آدمی قربانی کرتا ہے، میدان میں آتا ہے، اگر بظاہر پسپائی بھی ہوجائے تو ہمت اور جدوجہد کو نہ چھوڑے، یہ آگے قدم بڑھاتا ہے، پھر یہ اپنے نصب العین میں غالب آ کر دوسرے فریق کو ہراتا ہے۔ خود قدم پیچھے نہ رکھے آگے بڑھے۔ آگے اصول بیان کیا۔

۲......وتلك الایام نداولها بین الناس۔ سبحان اللہ! یہ دن ہیں کہ ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، آج اِس کو فتح اُس کو شکست۔ کل اُس کو فتح اِس کو شکست۔ یہ ہماری حکمت ہے۔ ایک طرح کا مآل نہیں رہتا ورنہ امتحان اور آزمائش نہ ہو۔ کیسی بات ہے، مقصد نہ چھوڑو، یہ ظاہری فتح شکست بے معنی ہے، تلك الایام نداولها بین الناس ہم لوگوں کے درمیان یہ دن ادلتے بدلتے پھیرتے رہتے ہیں۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ وہ جانتا ہے۔ آزمائش بھی ہے اور اپنی کمزوریاں، اپنی بے ہمتی، اپنی لاپرواہی کے نتائج بھی ہیں، حکمتیں کئی ہیں۔ لیکن یہ بات اٹل ہے کہ ہمیشہ ایک قسم کے نتائج حق کو بھی نہیں میسر آ سکتے۔ اب وہ حکمتیں۔

۳......ولیعلم اللہ الذین امنوا ویتخذ منکم شھدآء۔ تاکہ اللہ جانے۔ اللہ تو بھئی جانتا ہے۔ اللہ کے جاننے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ سامنے آجائے کہ ایمان والا ایمان کے رستے پر قائم رہا اور جان تک دے دی، ہٹا نہیں۔

۴......تم میں سے اللہ تعالیٰ شہید بنائیں۔ اگر یہ کفار کے ہاتھوں ستر (۷۰) قتل نہ ہوتے تو ستر شہیدوں کا ثواب کیسے آتا ان کو۔ ایک تو یہ حکمت ہے، اب غم خوشی سے بدل گیا۔ کہ مرنا تو ہے ہی، موت ہو شہادت کی، تاکہ سیدھا جنت میں جائے۔ ایک تو یہ حکمت تھی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ احد میں بھی ظاہری فتح عطا فرما سکتے تھے لیکن پھر شہید نہ ہوتے۔

۵......والله لایحب الظالمین جن کو ظاہری فتح ہوئی ہے جنگ احد میں، وہ اللہ کی نگاہ میں ظالم ہیں، اللہ ان کو چاہتے نہیں، لیکن اللہ کی حکمت کے ماتحت ان کو بظاہر کامیابی ہوئی۔ یہ نہیں کہ جس کو غلبہ اور فتح ہو اللہ کے دربار میں مقبول ہیں اور وہ اگلا قدم بھی نہ اٹھائے اور جو کچھ ہے وہ بھی چھوڑ دے۔ آج تو یہی ہے نا؟ ذہنی کمزوری ہے۔

۶......ولیمحّص اللّٰہ الّذِین اٰمنو ویمحق الکفٰرین ۔تا کہ اللہ تعالیٰ چھانٹے کہ کھرے ایمان والے کون ہیں۔

۷......اور ساتھ الفاظ یہ ہیں تا کہ اللہ کافروں کو مٹا دے۔ شہید مسلمان ہو رہے ہیں، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹا دے۔ کیونکہ جب ایک جماعت جان دے سکتی ہے تو آخر غلبہ ان کا ہے۔ قربانی نہیں دے گی تو کچھ نہیں۔ اہل حق کے، اہل ایمان کے اللہ تعالیٰ نے حوصلے اور بڑھا دیئے ہیں۔ دیکھو ناں یہ قرآن میں کیوں رکھا۔ تا کہ قیامت تک ہر دور میں ہر حال میں مسلمان ان آیات کی روشنی میں ہمت اور حوصلے سے کام لے کر اپنے نصب العین پر زیادہ مضبوطی سے قائم ہو۔ اور آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

۸......اور اللہ جانے ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں۔ اتنی کوشش کرنے والے ہیں کہ سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔

۹......اور تا کہ اللہ جانے کہ کون صبر کرنے والے ہیں؟ جن کے بچے شہید ہوئے، ماں باپ کا صبر آزمانا ہے۔ جن کے خاوند شہید ہوئے، بیوہ عورتوں کا صبر دیکھنا ہے۔ جن کے بھائی شہید ہوئے، ان بھائیوں کا صبر دیکھنا ہے، ان بہنوں کا صبر دیکھنا ہے۔ فرمایا اگر اس معرکے میں یہ نتیجہ نہ ہوتا تو یہ ایمان کی منزلیں اور یہ ایمان کی آزمائشیں کیسے ثابت ہوتیں کہ کون کیسا ہے؟ زبان سے تو سب پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کیسی عجیب حکمت ہے۔

نظریہ شخصیات پر نہیں، مشن پر ہو:

آگے پھر آخری بات سمجھائی۔ خبر یہ اڑ گئی تھی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نعوذ باللہ شہید ہو گئے ہیں، شیطان نے خبر اُڑائی تا کہ اہل ایمان کے حوصلے پست ہو جائیں۔ کیونکہ عشق اور محبت کا مرکز حضور اکرم ﷺ کی ذات ہی تھے۔ سمجھو! سنت اور صحابہ میں تو یہی نمونہ پیش کرتے ہیں، قرآن نے تو یہی نمونہ دیا ہے، سنت اور صحابہؓ۔ یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض یہ مرحلہ بھی مسلمانوں کے سامنے آئے کہ خود سرورِ کائنات ﷺ پر طبعی موت آئے، کل نفسٍ ذائقة الموت کے قانون کے ماتحت یا بالفرض کفار کے ہاتھوں قتل اور شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام اور ایمان کو چھوڑ کے کافروں سے مل جاؤ؟ حضورؐ سے بڑھ کر کوئی

پیارا ہے بھائی مومن کیلئے؟ حضورؐ بھی نہ رہے تو پھر بھی حضورؐ نے جو تم کو راستہ دیا ہے، نصب العین دیا ہے، اس پر اور ہمت سے کام لو تا کہ حضورؐ کا مقصد اور مشن قائم رہے۔ یہ تو وقت ہے، سب نے جانا ہے، فتح شکست کیا چیز ہے؟ یہاں سب نے ختم ہو کر اُس جہان میں جانا ہے۔ جنگ اُحد کیا ہوئی، شہید کیا ہوئے، اللہ نے قیامت تک کی ترقی کے اُصول کھول دیئے، راستے کھول دیئے کہ یہاں تک بھی اگر مسلمانوں کو صدمہ آ جائے کہ جو اولاد، ماں، باپ، بیوی، بچے، اپنی جان، سب سے عزیز ذات پاک ہے، وہ بھی گویا کہ نظروں سے اٹھ جائے تو پھر تم کیا کرو گے؟ تم کہو گے ان سے مل جائیں، ان سے مل جائیں، اسلام کو چھوڑ دیں، پیچھے ہٹ جائیں اور کیا ہو؟ نہیں تم اور محنت کرو۔

آگے آیات ہیں عجیب وغریب گھر جا کر پڑھیں، اے مسلمان! یہ سبق پہلے لیتا، آج نقشہ اور ہوتا، مسلمان نے یہ سمجھا کہ سیاست اور حکومت میں اسلام کا کیا دخل ہے؟ اور آج پھر افسوس کیوں کرتے ہو کہ (اوہو) فلاں پارٹی غالب آ گئی، جب پہلے نظریہ ہی میدان میں آنے کا یہ تھا کہ یہاں سرکار دو عالم ﷺ کی سنت اور صحابہؓ کے نمونے کی ضرورت نہیں، وہاں مسجد مدرسے ہم قائم کریں گے۔ اب بتاؤ کہ اگر نتائج نکلے ہیں، قوم نے دوسرا رستہ اختیار کیا ہے تو ان نتائج کے ذمہ دار لیڈر اور سیاسی قائد ہیں کہ جو قوم کا ذہن یہ بناتے رہے کہ یہ سیاست ہے، یہاں اسلام کا کیا دخل؟ اگر ذہن یہ بنایا جاتا کہ یہی اسلام ہے جو ہر جگہ کام دے، جو ہر چیز کو اپنے تابع کرے، حقیقتاً آج یہ نتائج نہ نکلتے۔ آج وہ مسلمان سیاست اور الیکشن کے میدان میں مرزائیوں کا ساتھ نہ دیتے۔ یہ ایک گندے ذہن کا نتیجہ ہے۔ کافر کو کافر سمجھ کر بھی اس کو کامیاب کر رہے ہیں، بات تو دُکھ کی ہے، لیکن یہ غلط اُصول کا نتیجہ ہے، مسلمان کے دماغ میں یہ ہے کہ مجھے یہاں سے کامیابی ہوتی ہے تو میں یہ رستہ اختیار کروں، کافر کو کافر سمجھ اور کافر مان کر ساتھ دے رہا ہے اور مسلمانوں کے اوپر مسلط کر رہا ہے۔ کیوں؟ کہے گا، بھئی یہ سیاست ہے! یہ سالہا سال کے غلط نظریات کے نتائج ہیں جو آج ہم بھگت رہے ہیں۔ پھر بھی وہ کہے گا میں جنت میں جاؤں گا۔ اور میں نے سب کچھ اسلام کیلئے کیا۔

میں تو ہمیشہ ہی دعوت دیتا رہا کہ حق و باطل کا تقابل عوامی نظریاتی ہو، عوام حق کا ساتھ دے، اس میں پھر کوئی دُکھ کی بات نہیں ہوتی، اب بھی ہمارے لیے میدان کھلا ہوا ہے، ووٹوں کی کامیابی ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کے اثرات کو ہم زائل نہ کر سکیں، لیکن اگر آئندہ بھی ہم حق کیلئے اور دین کیلئے کچھ نہ کریں، کمزوری دکھلائیں، مفاد پرستی دکھلائیں، پھر کچھ نہیں۔ یہ ایک تنبیہ ہے، یہ ایک تاریخی نتیجہ ہے، قوموں کو حالات پیش آتے ہیں، اور یہ ردِ عمل بھی ہے، یاد رکھو! تفصیل کا وقت نہیں۔ کتنی تقریروں میں مَیں نے یہ کہا تھا کہ عوام کو، غریبوں کو، مزدوروں، محنت کرنے والوں کو کہ سرمایہ دار ظالم ہیں، اس کا انکار کرنے والا ظالم

ہے، لیکن اگر ان کو ختم کرتے ہو تو اسلام کے صحیح راستے سے ختم کرو، اسلام کے خلاف چل کر ان کو ختم نہ کرو، ورنہ پھر تم بھی ختم ہو جاؤ گے اور وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر۔ میری پکار تو یہی رہی ہے کہ ہم انقلاب چاہتے ہیں، لیکن غلط انقلاب نہیں چاہتے۔ کتنی دفعہ میں نے کہا کہ امیر غریب کی جنگ کا نعرہ چھوڑو، تم نظریاتی چیز پیش کرو۔ آج اس نعرے کا یہ نتیجہ ہے کہ مرزائی کامیاب ہوا ہے اور نعرے کے نتیجے میں غریب مسلمان خریدا گیا۔ غریب نے صرف یہ دیکھا ہے کہ یہ ظالم تھا۔ یہ مجھے آنکھیں دکھاتا تھا، یہ مجھے کمّی سمجھتا ہے، مجھے حقیر سمجھتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی غربت و مظلومیت:

صحابہ کرامؓ سے غریب کوئی نہیں ہوا، بلال حبشیؓ سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں ہے، لیکن انھوں نے اسلام اور قرآن کو غالب کیا، انہوں نے کفر کو مسلط نہیں ہونے دیا، یہ لوگ اپنی ذات کے لیے لڑے ہیں، صحابہؓ اللہ کی رضا کے لیے لڑے ہیں، اُن سے زیادہ مظلوم اور پسماندہ طبقہ کوئی تھا؟ اُنہوں نے سرکارِ دوعالم کی پیروی میں یہ جدوجہد کی، اور انہوں نے باطل کے پیروی میں کی۔ اندازہ فرمائیں! درسِ عبرت ہے، ہم تو خلافتِ راشدہ کے نظام کو بالکل کامل مکمل مانتے ہیں، اس کے بغیر اسلام ہے ہی کچھ نہیں، صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی جماعت ساری جنتی ہے، ایران اور افریقہ تک اسلام کو غالب کرنے والی یہی مقدس جماعت ہے، انہیں کی قربانیوں کے نتائج میں ہم نے کلمہ پڑھا۔ ان کے اثرات ہم تک پہنچے۔

تلوار کس کے ہاتھ میں ہے؟

لیکن ناسمجھی اور کم عقلی کا یہ نتیجہ ہے کہ شیر خدا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی جو مشہور تلوار ''ذوالفقار'' ہے، وہ کس کے خلاف چمکی؟ اور آج ذوالفقار نام کی کس کے خلاف اور کس کے حق میں ہے؟ قوم نے دیکھا، قوم نے سمجھا کہ یہ شیرِ خدا کی تلوار ہے، یہ اب کس کے ہاتھ میں ہے؟ وہ کس کے ہاتھ میں تھی؟ کتنی بے سمجھ قوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روح کو تکلیف پہنچی۔ شیرِ خدا کی ذوالفقار نے مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹے مدعی نبوت کو ختم کیا، اسود کو ختم کیا، وہ کفر کے خلاف چلی اور آج یہ ذوالفقار مرزائی کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف چلی۔ (نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر) شیر خدا کی ذوالفقار نے تو مرزائیوں کو قتل کیا۔ اسوقت بھی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے تھے، کیا شیر خدا نے اپنی تلوار دشمنوں کے ہاتھ میں پکڑوائی تھی؟ اب لوگوں نے تلوار پر مہر لگائی ہے، تو کیا حضرت علیؓ کی تلوار پر ہم نے مہر لگائی ہے؟ تم یہ دیکھو کہ یہ تلوار کس کے ہاتھ میں ہے؟ یہ بہت بڑا مذاق ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ قوم کی ذہنیت کو دیکھو، میں تو حیران ہوا، بھائی نشانات تو پارٹیوں کے ہوتے ہیں، یہ نشان ہم نے چن لیا۔ لیکن عوام کے ذہن نے یہ بات قبول کیسے کر لی کہ انہوں نے یہ نہ سمجھا

کہ اگر تلوار کا نشان یا ذوالفقار کا نام ہے تو یہ کس کے ہاتھ میں ہے؟ اس لیے قوم کو سمجھانے کی بڑی ضرورت ہے، اس قوم کو جو اپنا ہی گلا کاٹے اپنے ہاتھ سے۔

خدام اہل السنۃ والجماعۃ:

ہماری جماعت خدام اہل السنّت والجماعت اس نام سے نئی ہے۔ اس نام سے نئی ہے، ورنہ سنت اور جماعت کا عنوان اور اس کی حقیقت چودہ سو سال سے ہے۔ خدام اہل السنّت والجماعت کا شرعی منشور آپ نے پڑھا، سنا، سمجھا ہے یا نہیں، اس کو دیکھ لو، اس میں ہم نے کیا چیز پیش کی ہے؟ اس کی کیا کیا خصوصیت تھی؟ جس کی بنیاد پر ہم اس الیکشن اور سیاست کے میدان میں آئے اور آج بھی اللہ کے فضل سے وہیں کھڑے ہیں، ایک انچ ایک سوئی کے برابر بھی ہم اس نصب العین سے نہیں ہٹے۔ اور اس میں ہمیں خوشی ہے اور اطمینان ہے، یہ اللہ کا خاص فضل ہے، ہمیں اس میدان میں قومی یا دستور ساز اسمبلی میں شکست کا کوئی دکھ نہیں، یہ دُکھ تو ضرور ہے کہ جتنی محنت جماعت نے کرنی تھی اتنی نہیں کی...... یہ تو مجھے دُکھ ہے کہ اپنی جماعت نے اتنی محنت نہیں کی کہ جتنی وہ کر سکتے تھے۔ عالم اسباب میں محنت کا نتیجہ ہوگا، باطل محنت کرے وہ کامیاب ہو جائے گا، یہ بات مانتے ہوئے صحیح اسلامی مؤقف پر قوم ساتھ دینے کیلئے تیار نہیں، پھر بھی محنت کا نتیجہ جو ہے وہ بہتر ثابت ہوتا ہے، جماعت کی پوری محنت نہ کرنے کا مجھے دکھ ضرور ہے۔ لیکن اس بات کی مجھے خوشی ہے، اور بڑا اطمینان ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے کہ ہم نے دستور ساز اسمبلی میں جس نصب العین کی بنیاد پر اس میدان میں قدم رکھا تھا اس سے نہیں ہٹے۔ اب بات سمجھنے کی کوشش کریں! چھ پارٹیاں، چھ جماعتیں پاکستان میں قومی یا دستور ساز اسمبلی میں حصہ لے رہی تھیں، ہر پارٹی کا منشور تھا، پروگرام تھا، نصب العین تھا اور دوسری پارٹیاں پاکستانی سیاست کے اعتبار سے بڑی پارٹیاں تھیں، لیکن ہم نے کسی پارٹی سے تعاون کیوں نہیں کیا؟ یہ آپ سمجھیں یا کوئی پارٹی اور اس کا کوئی امیدوار میری نظر میں ایسا نہیں تھا جو ہمارے نصب العین اور ہمارے اس شرعی منشور کے مطابق ہو اور اس کا مقصد ہو، میں بھی برابر سوچتا رہا، اگر ہے تو مجھے اب بتا دیں، میں کسی کے ساتھ تعاون کرتا اور کیوں کرتا؟ اس میں ہم بالکل مجبور تھے، باوجود سوچنے اور فکر کے مجھے کوئی گنجائش ہی نہیں ملی۔ آئین بنانے کا مسئلہ تھا، کس کے ہاتھ میں ہم نصب العین دیتے۔ ایک جماعت کی بظاہر پوزیشن لوگوں کی نظروں میں تھی، لیکن حقیقتاً وہ نہیں تھیں اور ہم نے کتنا عرصہ پہلے ان کی پارٹی کو اپنی شرط بتلا دی کہ اس منشور کو چھوڑیں، ہم نے یہ کوشش کی، اس لیے ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ نصب العین جو ہمارا ہے وہ دوسرے کسی امیدوار کا ہے نہیں، جو اس کے مطابق ہو، اور ہم نصب العین سے ہٹے نہیں، یہ ہمارے لیے جرم ہے، آئین ساز اسمبلی میں امیدوار اور نمائندہ بھیجنا ہے۔ ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے، پانچ

پارٹیاں بڑی بڑی تھیں، ان میں سے بھی جیتنا تو ایک ہی نے تھا، لیکن ہمیں اس لیے خوشی ہے کہ ہمیں اصولاً کامیابی ملی اور جس نے ہمیں ووٹ دیا اس نے بالکل شرعی مؤقف سمجھ کر ووٹ دیا، جو مخالف فریق بھی مان رہے ہیں۔ سات ہزار کے قریب اس تحصیل میں اور اس فوجی ضلعے میں، سرکار پرست ضلعے میں۔ ایک ٹیڈی پیسہ ہم سے کوئی لینے والا نہیں تھا کہ جو ہمیں ووٹ دے اور کچھ انہیں ہم سے نفع ہو۔ دوسری جگہ لنگر تقسیم ہوئے، سب کچھ ہوا، ہماری تو ایک جیپ تھی جماعتی چندے پر، وہ ہم چلاتے رہے، پھر بھی اتنے ہزار ووٹ جو ہمیں ملے تو میں ان کی سب کو مبارک باد دیتا ہوں، خدا ان کی یہ محنت اور حمایت قبول فرمائے کہ جس نے ہمیں ووٹ دیا، کوئی ہو، کسی تعلق سے دے دیا ہو۔ عموماً میرا ذہن ہے جس نے ہمیں دیا یہی سمجھ کے دیا کہ سرکارِ دوعالمؐ کی شریعت اور صحابہؓ کے راستے کو نہ چھوڑا۔ محنت نہ کرنے کا مجھے دُکھ ضرور ہے، لیکن جنہوں نے دیا ہے وہ کھرے تھے۔

صوبائی سیٹ:

اب صوبائی سیٹ کا مسئلہ تھا، جواب سامنے ہے، سترہ تاریخ کو الیکشن ہے، قوم کے سامنے یہ دوسرا مرحلہ ہے کہ اب بھی یہ تلافی اور تدارک کرتی ہے کہ نہیں؟ اس کے لیے میں نے یہ جنگ احد کی آیات پڑھی ہیں۔ پہلے سمجھا چکا ہوں اور اس صوبائی سیٹ کے لیے میں قومی اسمبلی سے بہت پہلے سوچ رہا تھا۔ پہلے ہی ذکر رہا تھا ان دونوں سیٹوں کیلئے، کیونکہ وہاں مرزائی کھڑا ہے۔ اس میں ہم نے یہ دیکھا کہ مرزائیت اور اشتراکیت کے اتحاد اور گٹھ جوڑ نے گویا پاکستان کی سیاست میں بظاہر غلبہ حاصل کرلیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ صورت حال اسلام کے لیے خطرناک ہے۔ اس اسلام کے لیے جو رحمۃ للعالمین، خاتم النبین ﷺ کی ذات، صحابہؓ اور اہل سنت یا اولیاء امت کے طفیل ہمیں پہنچا ہے، جس کے لیے شدید خطرہ ہے اور میں تقریروں میں کہتا رہا ہوں کہ جو کہتے ہیں کہ اسلام کو پاکستان میں خطرہ نہیں، یہ صحیح نہیں ہے، اسلام کو زبردست خطرہ ہے، ہمیں یہ جائزہ لینا ہے، اب کوئی نہ مانے کہ نہیں! خطرہ نہیں ہے؟ کفر نے اسلام کے نام پر آکر آج کی سیاست کو بدل دیا، یہی خطرہ تھا سب سے زیادہ۔ تو اس میں سے ہم نے سوچ بچار کی، غور وفکر کیا کہ آئین ساز اسمبلی میں شرعی آئین بنانا تھا۔ ہمیں پورا شرعی آدمی ملنا چاہیے تھا جس کے دل میں، جس کی زندگی میں، جس کے عمل میں، فرشتہ تو کوئی نہیں۔ دوسروں کی نسبت وہ قابل اعتماد ہو، صوبائی سیٹ کا مسئلہ آئین سازی کا نہیں، اُس سے اِس کی نوعیت مختلف ہے، صوبائی انتظامیہ کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ آئین تو اب وہی بنائیں گے جو وہاں کامیاب ہوگیا۔ اس میں ہمارا وہ معیار پہلے بھی ذہن میں نہیں تھا۔ تو اس میں ہم نے یہ کوشش کی کہ ہمارا شرعی منشور کی روشنی میں جو شرعی مؤقف تھا وہ بحال اور محفوظ ہے، اس کو ہم کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتے۔ یہی

بات آپ کو سمجھانی ہے، بعض لوگوں کو اس بات کی سمجھ نہیں ہے۔ جو شرعی منشور ہم شائع کر چکے ہیں اس کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ اس پر قوم کی ملی اور مذہبی حیات کا دارومدار ہے۔ تو ہم ایسی تدبیر کریں کہ ہمارا شرعی مؤقف جو بالکل محفوظ اور بحال رہے۔ وہ شرعی مؤقف محفوظ رکھتے ہوئے ہم ایسی ایک طاقت بنائیں، مرزائیت اور اشتراکیت کے محاذ کے مقابلے میں کہ عالم اسباب میں ہمیں کچھ کامیابی کی اُمید ہو۔ یہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اور سب یہ سمجھتے ہیں، بات مانیں گے، اسکے لیے میں نے دیکھا کہ اب صوبائی سیٹ پر کون کون کس کس سیٹ سے کھڑا ہے؟ اور اس پارٹی میں اس امیدوار کی پوزیشن کیا ہے؟

مرزا فضل حق صاحب کی حمایت اور جانبین کی تحریریں:

تو میری اپنی نظر انصاف میں سوائے مرزا فضل حق صاحب کے جو بڈھیال والے ہیں اور قاضی صاحب تشریف لائے ہیں، شخصی طور پر یا اثرات کے لحاظ سے اور میرے سامنے کوئی نہیں، قومی اسمبلی کے الیکشن کے دوران بھی میری نظر تھی، مرزا صاحب کی پارٹی کے خاص معزز آدمی میرے پاس آئے، ان کا مقصد یہی تھا کہ اب کوئی صورت ایسی بنائی جائے جس سے یہ آئندہ کامیابی ہو، پھر خود مرزا فضل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ یہاں تشریف لائے، تو ان کے سامنے میں نے اپنا نصب العین رکھا، اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ہم نے جو مضبوطی دکھلائی باوجود لوگوں کے کہنے کے کہ یہ ضدی ہے، یہ ہے وہ ہے، اس کو ہم اب بھی نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ وہ تو مقصد ہے ناں! آپ اگر ہمارے نصب العین کو واضح طور پر تسلیم کر لیتے ہیں تو اس صوبائی سیٹ میں ہم آپ سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور مجھے بڑی خوشی اور مسرت حاصل ہوئی کہ ایک سیکنڈ بھی مرزا فضل حق صاحب نے تردد اور توقف نہیں کیا۔ وہیں کہا کہ جو کچھ آپ مجھ سے منوانا چاہتے ہیں، لکھوانا چاہتے ہیں، جو کچھ بھی ہے، آپ کر لیں، میرا ذہن بالکل آپ کے منشور کے ساتھ پہلے بھی ہے۔ یعنی ایک سیکنڈ بھی، میں نے دوستوں سے کہا ہے سیاسی امیدوار اتنا شریف النسب میں نے نہیں دیکھا۔ اتنا صاف دل لے کر۔ ورنہ سب کو اپنی پارٹی کا خیال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صاف دل و صاف ذہن لے کر آئے تھے، میں نے کہا کہ میں نے تحریر لکھوانی ہے، اتنا یعنی مجھے شرعی مؤقف کا لحاظ تھا۔ حالانکہ اگر میں تحریر نہ لکھواتا اور مجھے ذاتی اعتماد ہوتا تو شرعاً میں گناہ گار نہیں تھا، وہ زبانی کہہ دیتے۔ تو شرعاً میں گناہ گار نہیں تھا۔ لیکن میرے مزاج میں احتیاط ہے، اسلام پہلے ہی مظلوم ہے، عوام ناسمجھ ہیں، اس لیے میں نے کہا کہ یہ تاریخی باتیں ہوتی ہیں، یعنی انہوں نے تو کوئی پس وپیش کی ہی نہیں ہے ناں۔ انہوں نے کہا جو کچھ آپ لکھوائیں مجھ سے، جب میرا ذہن پہلے ہی آیا تو صاف ہے، تو میں بالکل تیار ہوں۔ پھر میں نے خود تحریر لکھی۔ یہ میں نے

خود تحریر لکھی اور ان کے سامنے پیش کی۔ باقی ساری جماعت موجود تھی ہماری بھی ان کی بھی۔ اس دن ہم اپنی میٹنگ بلا رہے تھے، کچھ آدمی آئے ہوئے تھے اس سیٹ پر ہم مشورہ کر رہے تھے تو ان کے سامنے میں نے یہ تحریر لکھی اپنے قلم سے، تو انہوں نے اس کو پڑھ کر یہ بھی نہیں کہا کہ یہ عبارت نہ ہو، یہ لفظ نہ ہو یا یہ ہو، کچھ بھی نہیں کہا، نیچے اپنے دستخط کر دیئے، لیکن میں نے کہا کہ: ساری تحریر آپ اپنے قلم سے لکھیں، ساری تحریر، حالانکہ دستخط کافی تھے، ساری تحریر جسطرح میں نے لکھی ہے، اس طرح آپ اپنے قلم سے ساری تحریر لکھیں، پھر دستخط کریں پھر تاریخ ڈالیں، انہوں نے مجھے نہیں کہا: بھائی! آپ بھی تحریر لکھ دیں۔ انہوں نے نہیں کہا ۔لیکن میں نے یہ ذمہ داری محسوس کی کہ اگر ان سے دو جماعتوں میں یا دو افراد میں اگر ایک وعدہ ہو رہا ہے، انہوں نے نہیں کہا نہ یہ کہتے، میں نے اپنی ذمہ داری یہ محسوس کی کہ میں بھی انکو تحریر لکھ دوں تا کہ ان کو اپنی جماعت کا اعتماد آئے کہ یہ حمایت یقینی ہے۔ اگر چہ ان کو مجھ پر اعتماد تھا، مجھ کو ان پر تھا۔ پھر میں نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف سے تحریر لکھی۔ اب وہ ان کے ہاتھ کی تحریر اصلی اور میرے ہاتھ کی تحریر اصلی ایک نقل میرے پاس ہے اور ایک نقل میں نے ان کو کہا کہ آپ رکھ لیں، یہ میں اب آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ پھر آپ دیکھیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے، ہم نے نقلیں اس کی وہاں بھیج دی ہیں، لیکن آپ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں آپ دیکھیں: مرزا فضل حق صاحب نے جو تحریر لکھی۔ وہ الفاظ یہ ہیں ان کے ہاتھ سے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''مجھے خدام اہل السنّت والجماعت کے شرعی منشور سے پورا پورا اتفاق ہے۔''

اب بتاؤ! بھئی! میں شرعی منشور سے ہٹا ہوں؟ کتنے ظالم اور بدبخت لوگ ہیں جو کہتے ہیں: دیکھو جی! قومی اسمبلی میں کہتا تھا: شرعی منشور، بھئی میں نے جب تحریر لکھوالی ہے تو اب؟......حالانکہ اتنی صراحت کوئی سیاسی جماعت کا فرد نہ لے سکتا ہے نہ لے گا۔ لکھوا کے ذرا دیکھ تو لو!......مسلم لیگ کی طرف سے ٹکٹ ملا ہوا ہے، لیکن ان کی شرافت اور دیانتداری اور ہمارے مقصد سے اتفاق کا یہ نتیجہ ہے اور یہی شرعی ہے......اگر غلط ہے تو میرا چیلنج ہے کہ کوئی عالم اس میں غلطی نکالے۔ ملک کے علماء میں سے، خواہ دوسری پارٹی خواہ اپنی ہے۔ لیکن اگر اس کو دل سے یہ صحیح نظر آ رہا ہے تو میں کہتا ہوں کہ انکو بھی شاباش ہے۔ سیاسی پارٹی بازی کے دعویٰ پر میں نے یہ تحریر لکھوالی۔ ورنہ وہ کہتے یہ بات مجھ سے نہ لکھوائیں اور کوئی بات مجھ سے لکھوالیں۔ پھر سن لو!

''مجھے خدام اہل السنّت والجماعت (یہ ہماری جماعت کا نام ہے کہ کسی اور کا؟) کے شرعی منشور (کس منشور کا نام ہے؟ شرعی منشور) سے پورا پورا اتفاق ہے۔''

اور جو کچھ اس میں ہے اس سے اتفاق ہے، یہی کافی تھا، حقیقتاً یہی کافی تھا۔

''اور میں ان شاء اللہ خدام اہل سنت کے اسلامی مقاصد کے تحت ملک وملت کی خدمت سرانجام دوں گا۔''

اور تصریح ہو گئی، کافی تھا، لیکن میں نے آگے اور بھی لکھوایا۔ کیونکہ اس وقت جس وجہ سے مرزا صاحب کا اس منشور کی بنیاد پر تعاون کر رہے ہیں، ان سے جس باطل کے مقابلے میں تعاون کر رہے ہیں اس کی تشریح بھی آئے۔ اور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے مقام ختم نبوت کے تحفظ کیلئے یہ بات منشور میں بھی ہے، لیکن اس تحریر میں مَیں نے علیحدہ بھی لکھوایا۔ بھائی! سرکارِ دو عالم ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ آپ بھی چاہتے ہیں کہ نہیں؟ چاہتے ہیں تو ہاتھ کھڑے کرو۔ اگر عملاً آپ نے ساتھ نہ دیا تو آپ غدار ہو نگے، سمجھ لو! پارٹی بازی کو چھوڑو، ہم فلاں پارٹی کے ساتھ ہیں، جس کا یہ عقیدہ ہے، ہمارے ساتھ جُڑو۔ ہم تمہارے ساتھ جُڑے ہیں، تم ہمارے ساتھ جُڑو۔ اب عمل ظاہر کرو، جدوجہد کرو۔ اس عبرت ناک شکست کے بعد بھی آنکھیں نہ کھلیں۔ تو رحمۃ للعالمین کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے؟ اور کیا جواب دو گے؟......

''مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے فتنہ منکرین ختم نبوت، (پہلا نمبر سوشلزم) بھٹو کے اسلامی سوشلزم (یہ بھی میں نے تصریح کرادی کہ بھٹو کے اسلامی سوشلزم) اور اشترا کیت وغیرہ خلافِ اسلام فتنوں کے انسداد کے لیے کوشش کرتا رہوں گا۔''

اب بتاؤ بھئی! اب مجھے شرعاً بتاؤ کہ میں شرعی مؤقف سے ہٹا ہوں؟ نہیں اللہ کے ہاں، قوم کے ہاں؟ بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط قدم ہے۔ دوسری پارٹی کے آدمی سے یہ لکھوایا ہے، یہ اُس سے زیادہ مشکل ہے کہ جو اپنی جماعت والے سے لکھوایا تھا، چوہدری احمد خان کا مان لینا اور بات تھی، وہ ہماری جماعت میں تھے، مرزا خود ذہناً ہمارے ہیں، یہ اور بات ہے، لیکن جماعت دوسری میں ہیں، یہ ان سے لکھوانا یہ اس سے زیادہ مضبوط قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور کامیابی عطا فرمائے۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر۔

اب میں نے جو خود تحریر دی انہوں نے نہ مطالبہ کیا نہ خود خواہش کی۔ میں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی وہ یہ ہے: میری تحریر:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں خدام اہل السنّت والجماعت کی طرف سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ چونکہ جناب مرزا فضل حق صاحب نے خدام اہل سنت کے شرعی منشور سے (لفظ میں نے لکھے ہیں) پورا پورا اتفاق کرلیا ہے۔ اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقام ختم نبوت کی حفاظت اور دوسرے اتحادی اور اشترا کی فتنوں کے خلاف

جدوجہد کا مکمل تحریری یقین دلایا گیا ہے، (یہ بھی تصریح کر دی ہے۔) اس لیے ہم ان شاء اللہ صوبائی اسمبلی کیلئے ان کی مکمل حمایت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین''

دونوں تحریروں پر نو شوال ۱۳۹۰ ہجری اور عیسوی 70-12-9 ہے۔ اور بمقام مدنی مسجد چکوال ہے۔ دونوں تحریروں پر مقام بھی ہے اور تاریخ بھی۔ میں اس کو محض اس اللہ کا فضل و کرم سمجھتا ہوں، سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین، صحابہؓ اہل سنت کی برکات کا نتیجہ سمجھتا ہوں کہ صوبائی اسمبلی میں ہمیں مرزا صاحب جیسا آدمی مل گیا اور ہم نے شرعی مؤقف کو بالکل بحال اور محفوظ رکھا۔

حق والے سے سب لوگ راضی نہیں رہ سکتے۔

بھائی مخالف نے کس کو چھوڑا ہے؟ وہ تو پریشان ہیں بے چارے کہ یہ ہو کیسے گیا؟ کیوں ہو گیا؟ انہوں نے تو چیخنا ہے، انہیں یہ توقع اور امید تھی؟ افواہ تو میں نے پہلے سنی ہے، ایک خط مجھے ابھی جمعہ پر آنے سے پہلے ملا ہے کہ: ''اب ایسے سنی ہیں۔'' اور مجھ پر ان افواہوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا، آپ نے بھی سنی ہوگی۔ کیونکہ اگر مخالف کی زبان اتنی بھی نہ کھلے تو معلوم ہوا کہ ہمارے حق سے اس کو دکھ نہیں پہنچا۔ یہ نشانی ہے۔ جس سے ہر آدمی راضی رہے، وہ حق پر نہیں، یہ اُصول ہے۔ اس کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے، لوگ کہیں کیا ہوا؟ کیوں ہوگا؟ یہ عوام پر اثر ہوتا ہے۔ ہم میدان میں کیوں نکلے ہیں؟ لیکن صرف سادہ لوگ بھولے بھالے ہیں، ہمارے اپنے لوگ جو ہوتے ہیں ناں دوسروں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں یا اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے میں یہ اب پیش کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ویسے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں محسوس کرتا اور یہ خط بھی مجھے آج ڈاک میں کسی نے بھیج دیا۔ اچھا کیا ہے میں آپ کے سامنے خط بھی سناتا ہوں۔ لکھنے والے کا نام نہیں ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی مظہر حسین صاحب! السلام علیکم۔

پہلے آپ نے کہا تھا کہ ہم اسلام کو ووٹ دیں گے۔ ہمیں ہار جیت کی پرواہ نہیں، ہمارا نشان سیب ہے، جو جنتی میوہ ہے۔

۲......اب شہر میں یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ بتی سے ہزاروں روپے لے کر اپنا نمائندہ بٹھا دیا۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔''

اہلیان چکوال! یہ تو خیر رواج ہے، لوگ ان سوالات کا جواب دورانِ تقریر...... میں نے پہلے بھی بیان کرنا تھا۔ کیونکہ افواہ تو تھی، لیکن اب خط پہنچ گیا۔ ذرا ساتھی بھیجنے والا بھی منتظر ہو، کچھ لوگ اور بھی منتظر

ہوں۔

مجھے کوئی نہیں خرید سکتا:

اب ذرا بھائی مجھے انصاف سے بتاؤ۔ مجھے انصاف سے بتاؤ۔ میں اپنی تعریف نہیں کرتا۔لیکن ایک مزاج ہوتا ہے، ایک مزاج ہوتا ہے قدرتی۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے خرید سکتا ہے۔ اگر سمجھتا ہے تو یہ اُس کی غلطی ہے، میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو میرے سامنے یہ کہے بھی۔ یعنی میرے سامنے آج تک کسی کو یہ جرأت بھی نہیں ہوئی کہ کسی پہلو سے اشارۃً بھی ایسی چیز کو پیش کرے۔ کیونکہ جس آدمی کی زندگی سامنے ہوتی ہے، اسے سب جانتے ہیں۔ جو بکنے بِکانے والے ہوتے ہیں، وہ ہر میدان میں باطل سے ٹکراتے نہیں ہیں، کوئی میدان ایسا ہے کہ ہم نے شرعی ضرورت سمجھی ہو اور اس میدان میں باطل کا سامنا کر کے اس سے ٹکرائے نہ ہوں؟ ثابت کریں! یہ اللہ کا فضل ہے۔

جیل کے حالات:

میں تو جیل میں بھی نہیں دَبا۔ سپریڈنٹ مرزائی تھا، حالانکہ جیل میں آدمی بالکل بے بس ہوتا ہے، میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں تھیں، آٹھ مہینے تقریباً یہ بیڑیاں میں نے بندھوائیں صرف ایک اذان کے مسئلے پر۔ والد صاحب نے جا کر مجھے کہا کہ چھوڑ دو!: میں نے کہا آپ مجھ سے یہ مطالبہ چھوڑ دیں۔ والد صاحب مرحوم لاہور گئے، سپریڈنٹ مرزائی تھا، داروغہ کوئی گجرات کے سید تھے، انہوں نے کہا کہ یہ بڑا سخت آدمی ہے یہ ہماری بات نہیں مانتا۔ میں کوٹھڑیوں میں بند تھا بیڑی پڑی ہوئی تھی، ان دنوں ہمارے بھائی صاحب بھی شہید ہو چکے تھے، والد صاحب پر صاحبزادے کی جدائی کا اثر تھا، انہوں نے علیحدگی میں مجھے سمجھایا کہ شرعاً تم جیل میں ہو، لہٰذا بلند آواز سے اذان کہنا چھوڑ دو! میں نے کہا: مجھے اتنی لذت ہے، اتنا میں مطمئن ہوں، آپ کو تو یہی ہے ناں کہ مجھے دُکھ ہوگا، مجھے تکلیف ہوگی۔ جب میں آرام میں ہوں تو آپ کیوں مجھے میرا اصول تڑواتے ہیں؟ وہ مطمئن ہو گئے، انہوں نے شاہ صاحب کو کہا کہ: وہ تو مانتا نہیں ہے اور خوش ہے۔ پھر میں نے والد صاحب کی دلجوئی کے لیے کہا: میں نے کہا آپ کی دلجوئی کے لیے میں کہتا ہوں کہ رات کو وہ مجھے کوٹھڑی میں بند کر دیا کریں۔ وہ تو مجھے اپنے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر بتلایا تھا، کوٹھڑی میں بند کیا تو مجھے وقت مل جاتا تھا۔ دن میں میری مشقت لگا دیں، وہ اور بات تھی، اس نے شکر کیا کہ یہ اتنا بھی ہوا ہے، وہ مجھے پریس کے جیل میں لے گیا، تو وہاں پھر میں نے اذان دی، پریس کا سپریڈنٹ جو تھا اس نے اس سپریڈنٹ کو لکھا کہ: یہ تو یہاں بھی مذہبی ہے۔ خدا جانے کیا الفاظ لکھے، وہ تو فساد ہی کہتا تھا، پھر

انہوں نے مجھے کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

بھائی! جو آدمی جیل میں بھی کسی مؤقف پر ڈٹا رہے وہ باہر کیا کمزوری دکھائے گا؟ اب جب مرزائی سپریڈنٹ نے دیکھا کہ یہ بڑا مضبوط ہے تو اس نے مجھے کہا کہ: تم کمزور ہو گئے ہو، میں تمہارا دودھ لگا دوں؟ میں نے کہا: نہیں! اللہ نے اتنی غیرت دی ہے کہ وہ دودھ لگانے کے لیے تیار ہو گیا لیکن میں نے اس دشمن کے سامنے یہ بھی قبول نہیں کیا۔ مزاج ہے، اللہ تعالیٰ اس پر مجھے قائم رکھے آمین۔

پروپیگنڈے کا جواب:

اچھا اب میں دوسری بات کرتا ہوں۔ یہ بتلاؤ کہ بھائی! دنیا میں جو بکنے کا سودا ہوتا ہے، کیا کوئی پیسے لے کر ایسی مضبوط تحریریں لکھواتا ہے؟ کوئی دنیا میں مجھے اُصول بتلا دے؟ وہ جو پیسے لیتا ہے وہ مؤقف کو چھوڑ کر لیتا ہے یا مؤقف پر مضبوط رہ کر لیتا ہے؟ یہ دنیا کا کوئی اصول ہے؟ کم عقلی ہے، بے عقلی ہے، ایک آدمی کے پاس دوسرا آدمی آتا ہے، اس سے اتنی زبردست تحریر اپنی جماعت کے منشور کی لکھواتا ہے، پیسے لینے والا بات بھی کر سکتا ہے کسی سے؟ حالانکہ اس وقت میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ تحریر لکھوں یا لکھواؤں تا کہ کوئی الزام نہ دے، میرا دل صاف تھا، لیکن یہ تحریر گواہ ہے کہ یہ جو تحریر لکھوا رہا ہے وہ بھی دوسرے پر غالب ہو کر لکھوا رہا ہے۔ (نعرہ تکبیر اللہ اکبر)

بکنے والا آدمی تو نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا، لکھوانے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ سمجھے! یہ اللہ کی مدد ہے، یہ تحریر ہی دشمنوں کے پروپیگنڈے کو باطل ثابت کرنے والی ہے۔

اصل بات بھول گئے۔ چوہدری احمد خان صاحب کا نام آ گیا، ٹکٹ جاری ہو گئی۔ چوہدری احمد خان بیٹھے ہیں، تو کیوں بیٹھے؟ یہ بغیر پیسے لینے کے کیوں بیٹھ گئے؟ سیاست کی اصل بات تو ان کے ساتھ ہے، میں تو ان کی مدد کرتا۔ ان کے ساتھ جو ہوئی ہے یہ کیوں؟ اور ان کی سمجھ یا حق پرستی یہ ہے۔ حالانکہ ان پر بڑا سوال تھا۔ سوال تو ان کا بڑا ہے ناں کہ ان کے دل میں کیا ہو گا؟ جماعتی آدمی کو دین کے لیے ہم نے کھڑا کیا تھا۔ یہ شہر گئے ہوئے تھے، مَیں نے باقی ساتھیوں سے مشورہ کر کے مرزا صاحب سے کہا کہ وہ (چوہدری احمد خان صاحب) آ جائیں، مَیں اُن سے منوالوں، پھر۔ یہ آ گئے، مَیں نے ان سے علیحدگی میں بات کی کہ یہ بات ہے۔ چونکہ اپنا مؤقف شرعی ہے۔ سب کچھ چونکہ کر لیا ہے۔ تو اب ہے کہ آپ راضی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ: ٹھیک ہے کہ جب دین ہے، مؤقف وہی ہے، تو پھر ٹھیک ہے۔ تو انہوں نے مان لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اصل بات ہوتی ہے خلوص اور جماعتی ذہن کی۔ یہ اب دوسرے کیوں نہیں بیٹھ رہے؟ وقار کا مسئلہ ہے، لوگوں کے سامنے ذاتی وقار کا مسئلہ ہے، ہم نے شرعی وقار کا مسئلہ بنایا ہے، ذاتی وقار کا

مسئلہ نہیں بنایا۔(نعرۂ تکبیر اللہ اکبر)۔جو کچھ کیا ہے شرعی مؤقف کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا ہے۔شریعت پر ذات قربان ہوسکتی ہے۔اس لیے مخالف کی بات جو ہے وہ تو چلتی رہتی ہے۔کوئی کچھ کہے ہمیں کوئی اثر نہیں،کوئی پروانہیں۔اللہ کے ہاں سرخرو ہوں۔حقیقتاً سرخرو ہوں۔

ہم نے ایک نصب العین کے پیش نظر اس سیاست میں،الیکشن کے میدان میں قدم رکھا ہے، اور اس کی ہم نے ضرورت محسوس کی ہے۔جس رستے سے باطل آ رہا ہے،کفر آ رہا ہے۔اس راستے سے اس محاذ پر ہم نے مقابلہ کرنا ہے،خواہ کچھ بھی ہو جائے۔سمجھے؟اگر آپ نے اور ہم نے شکست کھائی ہے۔تو اس شکست کو فتح میں تبدیل کرنے کے لیے آج سے کام شروع کر دیں۔چار دن باقی ہیں،شہر چکوال والے سُن لیں!جن کو یہ اتحاد پسند ہے۔دل سے خوش ہیں اور الحمدللہ اکثر لوگ خوش ہیں،سوائے ان کے کہ جن کو مجھ سے کوئی عناد ہوگا،یا ویسے کسی کی کمزوری ہوگی،یا صرف پارٹی وقار رکھیں گے۔

ایک اور بات بتلا دوں،محنت نہیں کریں گے تو پھر بھی نتیجہ نہیں نکلے گا۔جو ہمارے اس اتحاد کو دل سے صحیح سمجھتے ہیں اور قبول کرتے ہیں،ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ دن تھوڑے ہیں،وقت تھوڑا ہے، محنت کی ضرورت ہے،اس کو اپنا اپنے دین کا کام سمجھیں......یہ سب لگ جائیں کام میں،عورتیں مرد چھوٹے بڑے جو ہیں یہ ایک ذہن بنائیں،دوسروں کو ساتھ ملائیں،تا کہ ہمارا ایک اتنا مضبوط محاذ بن جائے کہ ہم اللہ کے فضل سے باطل کو شکست دے سکیں۔(نعرۂ تکبیر اللہ اکبر)

ہمارا انتخابی نشان:

اب ایک اور بات،دوسری بات یہ ہے نشان کی۔ہماری جماعت کا نشان ''سیب'' تھا۔قانوناً بیلٹ پیپر میں سیب بھی ہوگا۔نام بھی آئے گا۔جس پارٹی یا جس فرد کا نشان منظور ہو چکا ہے،وہ بدل نہیں سکتا،اب نشان کی بات نہیں ہے،اپنے بھی سمجھ لیں اور دوسرے بھی کہ:سیب کی بجائے ہم نے ''بتی'' پر مہر لگانی ہے،ہم نے بتی پر مہر لگانی ہے،اور ہم نے بتی اب شریعت کے تیل سے روشن کرنی ہے۔(نعرۂ تکبیر اللہ اکبر)......اب بتی کی روشنی تیز ہو جائے گی،تیل مل رہا ہے......بتی جل سکتی ہے،آگے سے زیادہ روشنی دے سکتی ہے،ان شاء اللہ ہم شرعی بتی جلائیں گے،کفر کے اندھیرے کو دور کریں گے۔(نعرۂ تکبیر اللہ اکبر)اب بتی روشن کرو خوب روشن کرو،اس روشنی میں لوگوں کی آنکھیں کھلیں یا چندھیائیں۔اب مرزا صاحب اور ہم ایک ہیں،ان کی جماعت اور ہم ایک ہیں،ایک ہی نصب العین ہے،ایک ہی راستہ ہے،اس سے دشمن کو کیوں نہ دکھ پہنچے؟اب تیار ہو جاؤ،لیکن صبر کرنا ہے،یہ نظریاتی کشمکش ہے،آپ نے بہرحال صبر کرنا ہے،طعن ملامت کے الفاظ سے گھبرانا نہیں ہے،اللہ کے بھروسے پر۔سرکار دو عالم رحمۃ للعٰلمین ﷺ کی محبت اور پیروی میں محنت کرو،سب کچھ

ٹھیک ہو جائے گا، ہمیں بڑا اطمینان ہے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ مدد فرمائے۔ اللہ کی حکمتیں وہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ لیکن شکست کو فتح سے بدلنا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔ باطل کو ہم دندنانے نہیں دیں گے۔ مرزائیت کو ہم پاکستان میں سربلندی نہیں دینے دیں گے۔ (نعرہ تکبیر اللہ اکبر)۔ یہ ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے۔

میں شہر چکوال کے غریبوں کو کہتا ہوں جنہوں نے غلطی سے تلوار پر مہر لگائی، وہ تلوار مرزائیت کے ہاتھوں سے تم چھین لو۔ (نعرہ تکبیر اللہ اکبر)۔ نعرہ ہوش سے لگاؤ۔ کام کرنا ہے۔ ہر چیز عقل سے کرنی ہے، آج ذوالفقار کس کے ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی؟ جو شیر خدا علیؓ المرتضیٰ والی نماز کا پابند ہو، جو امام کربلا امام حسینؓ کے صبر اور نماز کا پیروکار ہو، آج کربلا کے سیدوں کی روحیں دُکھی ہیں کہ نہیں؟ کہ تلوار کہاں چلی گئی؟ سمجھاؤ لوگوں کو! ہر اس شخص کی منت سماجت کرو جس نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ شیر خدا کی تلوار پر میں مہر لگا رہا ہوں۔ اللہ کے لیے حالات سمجھو، ہمیں کسی سے بیر دشمنی نہیں۔ اے مزدور اور اے غریب اور اے بے بس اور مظلوم! شیر خدا علی المرتضیٰؓ کی پیروی میں انقلاب پیدا کر...... اللہ کے شیر کا نام لے کر تو ان کے دشمنوں سے نہ مل۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ امام حسینؓ کا نام لے کر تو دوسروں کے ساتھ نہ مل۔ رمضان میں روزے توڑنے والے ہیں۔ اور تو سمجھتا ہے کہ یہ ''ذوالفقار حیدری'' کا نام ہے۔ واقعات ہیں آنکھیں کھول کر دیکھو۔ مردِ میدان بن کر مقابلہ کرو۔ انتخاب کے ذریعے نظریاتی جنگ ہے۔ لوگوں کی منت سماجت بھی کرو، اس میں کوئی عار اور ہار نہ سمجھو، ایک بھولے ہوئے کو رستہ بتاؤ، ہم سمجھتے ہیں کہ سارے عوام بدنیت نہیں، یہ قوم بہت بھولی ہے، یہ دھوکے میں آجاتی ہے۔

بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ مختلف پہلوؤں سے مَیں نے اپنے شرعی مؤقف پر روشنی ڈال دی ہے۔ ہم ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی مدد سے شرعی مؤقف پر قائم رہیں گے، اللہ تعالیٰ مرزا افضل حق صاحب کو اور ہم کو اور ان کو ساری جماعت کو اس صحیح نصب العین پر چلنے کی، ثابت قدم رہنے کی اور کامیاب اور کامران ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ **وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العٰلمین**

تاریخ تحریر: ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۸۱ء

تحریر ماسٹر منظور حسین ساہیوال ضلع سرگودھا

مولانا مفتی شعیب احمد

اسلام کا تصورِ جہاد......اور......عمار خان ناصر

بسم الله حامداً و مصلياً

''آزادانہ بحث مباحثہ'' کے نام پر عمار خان ناصر نے اپنی اور جاوید احمد غامدی کی گمراہیاں پھیلانے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس نے حدود و تعزیرات سے چل کر، توہین رسالت کے مسئلے کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے، اب جہاد کا گھیراؤ بھی کر لیا ہے۔ ہمیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اس سلسلۂ گمراہی کے خلاف کوئی کہنے سننے والا نہ ہو۔ پہلے دو موضوع پر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور ان کا جواب خود لکھا۔ اب تیسرے موضوع پر اپنے دارالافتاء کے ساتھی مفتی شعیب احمد سلمہ کو لکھنے کو کہا۔ ماشاء اللہ زود مطالعہ و زود قلم ہیں۔ انہوں نے جلد ہی مضمون تیار کر لیا۔ میں نے اس مضمون کا مطالعہ کیا اور کچھ اصلاح کی۔ اب اس مضمون سے مجھے کلی اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائیں اور مصنف سلمہ کی حفاظت فرمائیں۔

(حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر) عبدالواحد (مدظلہم)......یکم ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

مقدمہ

مشہور صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود ارشادِ نبوی کے مطابق اعلمهم بالحلال والحرام یعنی احکام شریعت سے خوب واقف تھے، انہوں نے ایک دفعہ فرمایا:

"يفتح القرآن على الناس حتى يقرأه المرأة والصبى و الرجل فيقول الرجل قد قرأت القرآن فلم اتبع والله لأقومن به فيهم لعلى اتبع فيقوم به فيهم فلا يتبع فيقول قد قرأت القرآن فلم اتبع وقد قمت به فيهم فلم اتبع لأ حتظرن فى بيتى مسجدا لعلى اتبع فيحتظر فى بيته مسجدا فلا يتبع فيقول قد قرأت القرآن فلم اتبع و قمت به فيهم فلم اتبع وقد احتظرت فى بيتى مسجدا فلم اتبع والله لآتينهم بحديث لا يجدونه فى كتاب الله ولم يسمعوه عن رسول الله لعلى اتبع قال معاذ فايا كم وما جاء به فان ما جاء به ضلالة "(سنن الدارمی:۱۹۹)

ترجمہ: (ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ) قرآن (کا علم) اتنا عام ہو جائے گا کہ عورتیں بچے اور عام لوگ بھی قرآن پڑھیں گے۔ ایک آدمی یہ کہے گا کہ میں نے قرآن پڑھا لیکن مجھے کوئی پذیرائی نہیں ملی۔ بخدا! اب میں قرآن کو لے کر لوگوں میں وعظ کروں گا شاید اسی کے واسطے سے مجھے کچھ مقبولیت

حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ قرآن لے کر وعظ کرے گا لیکن پذیرائی نہیں ہوگی۔ وہ سوچے گا میں نے قرآن پڑھا کوئی بات نہیں بنی، میں قرآن کو لے کر لوگوں میں وعظ کے لیے کھڑا ہوا کوئی بات نہیں بنی اب میں اپنے گھر میں مسجد بناؤں گا شاید اسی کی بدولت مجھے قیادت اور راہنمائی کا منصب مل جائے۔ چنانچہ وہ مسجد بنالے گا لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں چلے گا۔ وہ سوچے گا میں نے قرآن پڑھا کوئی شنوائی نہیں ہوئی قرآن کو لے کر لوگوں میں پھرا کوئی پذیرائی نہیں ملی میں نے اپنے گھر میں مسجد بنائی پھر بھی لوگ میری اقتداء میں نہیں آئے۔ بخدا اب میں لوگوں کے سامنے ایسی نئی (جدید) بات لاؤں گا جو نہ کتاب الٰہی میں ہوگی اور نہ ہی انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس (بات کے اچھوتے پن اور ندرت کی وجہ) سے مجھے کوئی پذیرائی حاصل ہو جائے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ جو (جدید باتیں) لائیں ان سے بچنا' کیونکہ ان کی لائی ہوئی باتیں گمراہی ہوں گی''

تجدد اور متجددین:

پہلے ادوار میں تو معلوم نہیں کہ اس پیش گوئی کا کوئی نمایاں مصداق سامنے آیا یا نہیں لیکن ہمارے اس دور میں اور ماضی قریب میں بڑے پیمانے پر اس کے مظاہر سامنے آئے ہیں اور بکثرت آتے رہتے ہیں۔ جسے دو چار لفظ پڑھنے لکھنے آجاتے ہیں اس کے دماغ میں یہی جذبہ جوش مارتا ہے کہ کچھ ایسا کرو جو پہلے نہ ہوا ہو، تاکہ کوئی انفرادیت، ندرت اور نیا پن سامنے آئے۔ پھر فکری آزادی کے اس دور میں نئی بات کو قبول کرنے والے کچھ نہ کچھ لوگ مل ہی جاتے ہیں، اس لیے آئے روز گمراہی کی کوئی نہ کوئی نئی بات اور نیا نکتہ سامنے آتا رہتا ہے۔ اگر گمراہی کا نکتہ یا بات پرانی ہو تو اس کو نیا رنگ وروپ دے کر قابل قبول بنایا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ اگر یہ فکر بھی مل جائے کہ اسلام کی کچھ کتر و بیونت کر کے اس کو مغرب کے افکار کے موافق بنادیا جائے تاکہ مغرب ہمیں اور ہمارے دین کو قبول کر لے اور ہمیں دقیانوسیت اور قدامت پرستی کا طعنہ نہ دے، تو اس فکر کو جدیدیت (Modernism) اور اس کے علمبردار کو متجدد (Modernist) کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں تجدد پسندی یا جدیدیت گذشتہ ڈیڑھ دو سو سالوں میں اپنا سفر طے کرتے ہوئے دور حاضر میں دیگر حلقوں کے علاوہ جاوید احمد غامدی صاحب اور ان کے حلقہ فکر کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ غامدی صاحب کے اور شاگرد تو جو ہیں سو ہیں، لیکن عجیب ستم ظریفی ہے کہ ان کو ایک علمی خانوادے کے ایک فرد عمار خان ناصر (بن مولانا زاہد الراشدی) مل گئے ہیں۔ انہوں نے غامدی صاحب کی شاگردی اختیار کی! اور اب اپنی شاگردی کا حق خوب خوب ادا کر رہے ہیں۔ موصوف 'آزادانہ غور وفکر' معروضی حالات کے

تقاضوں' 'عالمی قوانین اور عرف ورواج' اور 'جدید قانونی فکر کے اٹھائے ہوئے سوالات' وغیرہ جیسے متاثر کن اور خوشنما عنوانوں سے اپنے اور اپنے 'استاذ گرامی' غامدی صاحب کے گمراہ کن افکار کا خوب پرچار کرتے ہوئے صدیوں کے مسلمہ مسائل اور اصولوں پر نشتر زنی کر رہے ہیں۔عمار خان صاحب کو اپنی روش پر اس حد تک اصرار اور جزم ہے کہ وہ اہل حق علماء میں سے کسی کی حق بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آتے بلکہ الٹا ان پر اپنی گمراہ فکر کو ان کے التزام کے بغیر لازم اور مسلط کرنے کو ہمہ وقت تیار ہیں۔

عمار خان صاحب کا فکری رخ:

عمار خان صاحب کا فکری رخ اور زاویہ نگاہ کیا ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے مندرجہ ذیل فکری تجاوزات اور نظریاتی انحرافات پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے۔

مسجد اقصی پر یہود کا حق:

اس موضوع پر موصوف نے ایک طویل سلسلہ مضامین سپرد قلم کیا ہے جس میں یہ دعوی کیا ہے کہ مسجد اقصی کے حق تولیت کی نسبت سے کم از کم موجودہ دور اور ماضی قریب کی امت مسلمہ کے مختلف طبقات، (کیا عرب کیا عجم، کیا علماء اور کیا مفکرین کیا زعماء اور کیا قائدین، سب کے سب) فکری انحراف اور علمی بد دیانتی کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ وہ اعلی اخلاقی اقدار کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسجد اقصی پر یہود کا حق تسلیم نہیں کرتے۔موصوف الشریعہ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے شمارے میں رقم طراز ہیں:

> "مسجد اقصی کے معاملے میں امت مسلمہ کے موقف اور رویے کا جس قدر بھی تجزیہ کیجیے، یہی بات نکھرتی چلی جاتی ہے کہ وہ (یعنی امت مسلمہ) 'استحقاق' کی نفسیات سے مغلوب ہوگئی ہے جس کے نتیجے میں مسجد اقصی کی تولیت کی 'امانت' کو ایک مستقل مذہبی حق قرار دینے اور یہود کو اس سے قطعا لاتعلق ثابت کرنے کے لیے علمی سطح پر انحرافات کا ایک سلسلہ وجود میں آچکا ہے۔(امت مسلمہ

ا۔ موصوف اپنی اس شاگردی کا اعتراف اور ذکر بڑے فخریہ انداز میں کرتے ہیں، اپنی کتاب 'براہین' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "راقم الحروف نے یہ اعتراض ایک موقع پر استاذ گرامی جاوید احمد صاحب غامدی کی خدمت میں عرض کیا"(ص:۶۹۴)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

> "دین میں ڈاڑھی کی حیثیت کے بارے میں استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے دو قول ہیں۔قول جدید کے مطابق یہ ان کے نزدیک کوئی دینی نوعیت رکھنے والی چیز نہیں ہے جبکہ قول قدیم یہ ہے کہ اسے دین کے ایک شعار اور انبیاء کی سنت کی حیثیت حاصل ہے۔۔۔۔میری طالب علمانہ رائے میں ڈاڑھی کو ایک امر فطرت کے طور پر دینی مطلوبات میں شمار کرنے کے حوالے سے استاذ گرامی کا قول قدیم اقرب الی الصواب ہے۔"(ص:۷۰۳)

کے)ایک گروہ نے سرے سے مسجد اقصی کی مسلم اور متواتر تاریخ کو ہی جھٹلا دیا۔دوسرے گروہ نے تکوینی اور واقعاتی طور پر امت مسلمہ کو ملنے والے حق تولیت کو ایک ابدی اور نا قابل تبدیل شرعی حق کا رنگ دینے کی کوشش کی۔جبکہ تیسرے گروہ نے تیرہ صدیوں کے واقعاتی تسلسل کو ہی حتمی اور فیصلہ کن قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں دیگر قابل لحاظ امور کے ساتھ ساتھ مذہبی اخلاقیات اور قرآن وسنت کی اصولی تعلیمات کو بھی کوئی وزن دینے سے انکار کر دیا۔ان علمی انحرافات کے نتیجے میں آج جذبات کی شدت اور احساسات کے تناؤ کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس مسئلے میں غیر جانبدارانہ علمی تحقیق کرنے کے لیے تیار نہیں۔''

''مسجد اقصی کا معاملہ امت مسلمہ کے لیے بھی اسی طرح ایک اخلاقی آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح کہ وہ بنی اسرائیل کے لیے تھا،اور افسوس ہے کہ ہمارا رویہ بھی حذو النعل بالنعل (same to same)اپنے پیش رووں کے طرز عمل ہی کے مماثل ہے۔ارض فلسطین پر حق کا مسئلہ موجودہ تناظر میں اصلا ایک سیاسی مسئلہ تھا،اس لیے اس کی وضع موجود میں یہود کے پیدا کردہ تغیر حالات پر اگر عرب اقوام اور امت مسلمہ میں مخالفانہ ردعمل پیدا ہوا تو وہ ایک قابل فہم اور فطری بات تھی،لیکن (۱) ہیکل کی بازیابی اور تعمیر نو کے ایک مقدس مذہبی جذبے کو''مسجد اقصی کی حرمت کی پامالی'' کا عنوان دے کر ایک طعنہ اور الزام بنا دینا،(۲) مسجد اقصی پر یہود کے تاریخی ومذہبی حق کی مطلقا نفی کر دینا،(۳) اور اس سے بڑھ کر ان کو اس میں عبادت تک کی اجازت نہ دینا ہرگز کوئی ایسا طرز عمل نہیں ہے جو کسی بھی طرح قرین انصاف اور اس امت کے شایان شان ہو جس کو ''**قوامین لله شهداء بالقسط**'' کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔''

حدود وتعزیرات:

اس موضوع پر موصوف نے ''حدود وتعزیرات، چند اہم مباحث'' کے نام سے قریب سوا تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے،جو غامدی صاحب کے ادارے ''المورد'' سے طبع ہوئی ہے۔یہ کتاب اصولِ دین فہمی سے لے کر مواد اور بیشتر جزئیات تک علمی ذخیرے میں موجود شاذ آراء،خوارج ومعتزلہ اور ماضی قریب ودور حاضر کے متجددین مثلاً عمر احمد عثمانی،امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی جیسے جمہور امت کی راہ سے ہٹے ہوئے لوگوں کی فکر کا چربہ ہے،البتہ رنگ روپ نیا ہونے میں اشکال نہیں۔اس کتاب میں عمار صاحب نے جگہ جگہ نہ صرف جمہور اہل علم کے فقہی موقف سے اختلاف کیا ہے بلکہ بیشتر جگہوں پر اجماع کو بھی نظر انداز کیا ہے۔استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہم العالی نے اس کے کچھ حصے پر ''مقام عبرت'' کے نام سے تنقید وتحقیق شائع کی۔اس تبصرے وتنقید میں جب عمار صاحب سے کہا گیا کہ ان کے افکار سے

اجماع امت پامال ہورہا ہے تو موصوف اس پر سیخ پا ہوئے اور اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کی بجائے خود 'اجماع' پر درج ذیل الفاظ میں برس پڑے:

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں 'اجماع' کا تصور محض ایک ''علمی افسانہ'' ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں'

(حدود وتعزیرات، تنقیدی کتابچہ:۱۳)

ناموس رسالت کا قانون:

حدود وتعزیرات کے بارے میں اپنی نرالی اور جمہور امت سے ہٹ کر رائے دینے کے بعد عین ان دنوں جب پاکستان میں ''ناموس رسالت آرڈیننس'' مغربی این جی اوز اور پاکستانی میڈیا کے ہاتھوں تختہ مشق بنا ہوا تھا اور یہ تمام حلقے اس قانون میں تبدیلی اور سزائے موت کے قانون کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ کررہے تھے، عمار خان صاحب نے باقاعدہ کتابچے کی شکل میں اپنی یہ رائے پیش کی کہ نہ صرف متعلقہ مجرم کو سزا سے بچانے کا اختیار حکومت کے پاس ہے بلکہ مستقل بنیادوں پر اس قانون میں تبدیلی کی بھی گنجائش موجود ہے۔ موصوف اس موضوع سے متعلق اپنے کتابچے میں رقم طراز ہیں:

''پیغمبر علیہ السلام کی شان میں (کسی ذمی کی) گستاخی کا جرم اگر اپنی نوعیت اور اثرات کے لحاظ سے اس درجے کو پہنچ جائے کہ اس کی اذیت پورے مسلمان معاشرے کو محسوس ہونے لگے اور مجرم کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر اپنی روش پر قائم رہے تو اس صورت میں یہ جرم براہ راست آیت محاربہ کے تحت آجاتا ہے...... تاہم ضروری نہیں کہ سب وشتم اور توہین وتنقیص کے جرم کو اپنی ہر صورت میں حرابہ ہی کے دائرے میں شمار کیا جائے، کیونکہ نوعیت وکیفیت اور اثرات کے لحاظ سے اس کی نسبتاً کمتر اور ہلکی صورتوں کا رونما ہونا ممکن ہے''۔ (توہین رسالت کا مسئلہ، ص:۱۰)

مطلب یہ ہے کہ اگر توہین رسالت تو ہو، البتہ اس کے اثرات دو چار افراد یا ایک گلی محلے تک یا ایک گاؤں، قصبے تک یا ایک شہر اور علاقے تک ہوں لیکن ''پورے مسلمان معاشرے'' کو محسوس نہ ہوں تو وہ توہین ایسا جرم نہیں کہ اس پر سزائے موت دی جاسکے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان میں تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوتا کہ پورا معاشرہ بلبلا اٹھے اس لیے عمار صاحب کے بقول عام حالات میں ذمی کو توہین رسالت کرنے کے باوجود سزائے موت نہیں ہونی چاہیے۔

اس کے بعد اس قانون میں تبدیلی کے لیے اپنے تئیں چور دروازہ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں تک ریاست کی سطح پر قانون سازی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قانون ساز ادارے (پارلیمنٹ

،سینٹ یا صدر وغیرہ) کسی ایک فقہی مکتب فکر کی آراء کے پابند نہیں ہیں۔ایک اجتہادی مسئلے میں انہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ دین وشریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں۔۔۔اگر یہ (یعنی توہین رسالت کا مسئلہ) آئندہ کسی موقع پر عدالت یا پارلیمنٹ میں دوبارہ زیر بحث آتا ہے تو اس کا پورا امکان ہے کہ سزائے موت کے ساتھ ساتھ متبادل اور کمتر سزاؤں کی گنجائش کو دوبارہ کتاب قانون میں شامل کر لیا جائے''۔(توہین رسالت کا مسئلہ،ص:۸۹،۹۰)

اس مسئلے میں گنجائش پیدا کرنے کے لیے عمار صاحب نے جو بنیاد بنائی ہے وہ دو مقدمات پر مبنی ہے۔پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اگر ذمی (یعنی مسلمان ملک کا غیر مسلم شہری) توہین رسالت کا جرم کرے تو حنفیہ کے موقف میں اس کی سزا تعزیر ہے،حد کے طور پر قتل نہیں،دوسرا مقدمہ یہ جوڑا کہ تعزیر کے قائم کرنے نہ کرنے کا اختیار حاکم کو ہوتا ہے،چنانچہ (بقول موصوف) حنفیہ کے اس موقف کی وجہ سے حکومت کو نہ صرف کسی ذمی کی سزائے موت کو ختم کرنے کے صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے قانون میں تبدیلی کا اختیار بھی ہے۔اس مغالطے کے تفصیلی جواب کا یہ موقع نہیں،اس کے لیے حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کی کتاب ''توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر'' ملاحظہ کر لی جائے۔

البتہ یہاں یہ ذکر کرنا علمی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس مسئلے میں حنفیہ کے موقف میں غیر مسلم کے لیے یہ لچک صرف انہی کی باریک بین نگاہوں کو نظر نہیں آئی بلکہ اس سے پہلے بلکہ بہت پہلے لیکن اسی طرح کے حالات میں اکبر بادشاہ کے ابوالفضل وفیضی جیسے درباری اہل علم کی نگاہیں بھی اس حقیقت کو پائے ہوئے تھیں کیونکہ انہوں نے بھی ایک ہندو گستاخ رسول کی جان بخشی کروانے اور پھر قانون میں تبدیلی کروانے کے لیے حنفیہ کے موقف کے بہانے سے اس نکتے کا سہارا لیا تھا۔اس کوشش کے نتیجے میں ہندو گستاخ کی جان بخشی ہوئی یا نہ ہوئی لیکن اکبر کو قانون میں تبدیلی کی مذہبی مہر کے ساتھ گنجائش مل گئی۔اس اجمال کی تفصیل مولانا علی میاں کی زبانی سنیئے۔مولانا اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں لکھتے ہیں:

''متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے سامان جمع کیا،لیکن قریب کے ایک برہمن نے راتوں رات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا،قاضی عبدالرحیم نے شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی عدالت میں مرافعہ کیا،شیخ عبدالنبی نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کیا،لیکن وہ برہمن، رانی جودھ بائی (اکبر کی بیوی) کا پروہت (پیر) تھا،رانی اکبر پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو سزا سے بچالے،بادشاہ عدالتی کارروائی میں مداخلت اور صدر الصدور کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا،صدر

الصدور نے سزا کا نفاذ کیا، لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا، اور بقول بدایونی:

''دختران راجہائے عظیم ہند نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے ملاؤں کو ایسا سر چڑھا لیا کہ وہ منشاء سلطانی کی بھی پروا نہیں کرتے، دربار میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا موت نہیں ہے، اس لیے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے''۔

یہی موقعہ تھا جب (ابوالفضل وفیضی کے باپ) ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا، جو اکبر اور اس کی مملکت کے رُخ کے پھیرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا، اور جو ذہنی و تہذیبی ارتداد کے پورے قصر کا صدر دروازہ کہا جا سکتا ہے، اس محضر میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ:

''خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معین کر دیں اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ قطعی اور اجماعی قرار پائے گا، اور رعایا برایا کے لیے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی''

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج /۴ص ۱۰۲)

اس تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ہندو گستاخ رسول کی جان بخشی کے لیے ابوالفضل وفیضی کے باپ نے اکبر کو چور دروازہ دکھا کر جو سبق دیا تھا وہی سبق ذرا 'جدید' اور تکنیکی انداز میں عمار خان ناصر صاحب اپنے دین سے بیزار اور مغرب سے مرعوب حکمران طبقے کو دے رہے ہیں، کہ چونکہ مسئلہ اجتہادی ہے اس لیے تمہیں اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اولوالامر ہونے کی حیثیت سے اس میں تبدیلی کی اجازت ہے۔

تصور جہاد:

اور اب کچھ عرصہ قبل عمار خان صاحب نے پوری امت سے الگ تھلگ قائم کردہ غامدی صاحب کے تصور جہاد سے اتفاق کرتے ہوئے اس کو مقبول بنانے کے لیے اپنا قلم سنبھالا اور کچھ ہی عرصے میں بہت سے حوالجات کے ساتھ مزین ایک طویل مقالہ لکھ دیا۔ اس مقالہ کا حاصل یہ ہے کہ:

غلبہ دین اور دعوت دین کے لیے جہاد صرف صحابہ کے لیے تھا اور انہوں نے اپنا کام پورا کر دیا تھا ان کے بعد اس غرض سے جہاد کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر مسلمانوں پر ظلم کیا جائے تو وہ

دفع ظلم کے لیے جہاد کر سکتے ہیں۔اور وہ بھی صرف حکومت کے تابع ہو کر۔۲

لیکن ظاہر ہے کہ متجد دین کے زاویہ نگاہ سے ظلم کا ارتکاب تو مسلمانوں ہی سے متصور ہے جو کہ ابھی تک قدامت پرست اور دقیانوسی افکار کے حامل ہونے کی وجہ سے غیر مہذب ہیں ،غیر مسلم متمدن قومیں،جو''تہذیب وشائستگی کے اعلی مدارج طے کیے ہوئے ہیں اور ہر کام اقوام متحدہ کے منشور(صحیفہ آسمانی) کی روشنی میں سرانجام دیتی ہیں، وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتیں بلکہ الٹا مدد کرتی ہیں۔چنانچہ اس دور میں جو مسلمان جہاد کا نام لیتے ہیں وہ نہ تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد ہے اور نہ ظلم کے خلاف ہے اس لیے وہ صرف دہشت گردی ہے۔

غامدی صاحب کا جہاد کے بارے میں موقف ان کی کتاب ''میزان'' اور عمار خان صاحب کا نظریہ ان کی درج ذیل تحریرات میں تفصیل سے مذکور ہیں:

۱۔ جہاد......ایک مطالعہ......جو الشریعہ کے جہاد نمبر میں شامل ہے۔

۲۔ جہاد کی فرضیت اور اس کا اختیار......چند غلط فہمیاں۔

۳۔ القاعدہ، طالبان اور موجودہ افغان جنگ۔

ان میں سے اول الذکر تحریر میں موصوف نے اسلام کے تصور جہاد بلکہ صحیح لفظوں میں اپنے فلسفہ جہاد کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔پیش آمدہ سطور میں اسی تصور کی تفصیل، دلائل اور ان کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔ترتیب اور سہولت کے پیش نظر تحریر کو دو ابواب اور ان کی ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول: تصور جہاد کا عمومی جائزہ۔

باب دوم: دلائل کا تفصیلی تجزیہ۔

اگر چہ مندرجہ بالا تحریرات میں جہاد اور اس کے متعلقات کی بابت بہت ساری چیزیں ہماری نظر میں نہ صرف قابل اشکال ہیں بلکہ غلط اور حقیقت سے دور ہیں، لیکن زیر نظر مضمون میں طوالت سے بچنے کے لیے اس اہم اور بنیادی بات کو لیا گیا ہے جس کے گرد ان کا سارا فلسفہ جہاد گھومتا ہے۔

وماتوفیقی الابالله علیه توکلت والیه انیب ...... شعیب احمد......ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

---

(۲) دیکھیے میزان، جاوید احمد غامدی: ص۲۴۴ طبع اول ۲۰۰۱۔اور عمار خان صاحب کا مضمون 'جہاد کی فرضیت اور اس کا اختیار ۔۔۔چند غلط فہمیاں مشمولہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۹ ص ۴۵۔ان دونوں جگہوں پر یہ تصریح موجود ہے کہ حکومت کے بغیر جہاد کا کوئی تصور نہیں۔غامدی صاحب کی اپنے خاص قطعی انداز میں تصریح یوں ہے:

''یہ بالکل قطعی ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں آیات قتال کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔حدود وتعزیرات کی طرح ان آیات کے مخاطب بھی ان کے حکمران ہیں اور اس معاملے میں کسی اقدام کا حق انھی کو حاصل ہے''

باب اول:

تصور جہاد کا عمومی جائزہ

غامدی اور عمار خان کا تصور جہاد:

غامدی وعمار صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جہاد کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں۔ایک محض اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دین کے لیے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا لشکر کافروں کے ملک میں جا کر یہ کہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ دو ورنہ قتال کے لیے تیار ہو جاؤ اور دوسری قسم یہ ہے کسی جگہ کے مسلمان باشندوں پر کفار کی طرف سے ہونے والے ظلم اور فتنہ کے خلاف ان ظالم کفار کے خلاف جہاد کیا جائے۔ان میں سے پہلی قسم صحابہ کے بعد سے خود بخود ختم ہو گئی ہے جبکہ دوسری ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔چنانچہ عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیرو اہل ایمان کو عہد نبوی کے معروضی حالات کے تناظر میں جہاد و قتال کا حکم دو طرح کے مقاصد کے تحت دیا گیا۔(۱)۔اہل کفر کے فتنہ وفساد اور اہل ایمان پر ان کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے کے لیے۔(۲)۔اور دوسرے کفر وشرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلے میں اسلام کا غلبہ اور سربلندی قائم کرنے کے لیے''۔(جہاد:۱۱۱)

اور غامدی صاحب کے تصور جہاد کا خلاصہ عمار صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

''رسول اور اس کے پیروکاروں کا یہ غلبہ پوری دنیا کی قوموں پر نہیں بلکہ ان مخاطبین پر ہوتا ہے جن پر اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا نافذ کرنے کا اذن مل جاتا ہے۔اس اصول کے تحت نبی ﷺ اور آپ کے متبعین نے جو جہاد کیا وہ غلبہ دین کے اسی وعدے کی تکمیل کے لیے اور انہی اقوام تک محدود تھا جن کے خلاف اقدام کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی اور جن کی تعیین نبی ﷺ نے ان کے سربراہوں کو خطوط لکھ کر کر دی تھی۔چنانچہ <u>اسلامی تاریخ کے صدر اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے ہاتھوں جزیرہ عرب اور روم وفارس کی سلطنتوں پر دین حق کا غلبہ قائم ہو جانے کے بعد غلبہ دین کے لیے جہاد وقتال کے حکم کی مدت نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے۔یہ شریعت کا کوئی ابدی اور آفاقی حکم نہیں تھا اور نہ اس کا ہدف پوری دنیا پر تلوار کے سائے میں دین کا غلبہ اور حاکمیت قائم کرنا تھا</u>۔اس کے بعد قیامت تک کے لیے جہاد وقتال کا اقدام دین کے معاملے میں عدم اکراہ اور غیر محارب کفار کے ساتھ جنگ سے گریز کے ان عمومی اور اخلاقی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی کیا جائے گا جو قرآن مجید کی نصوص میں مذکور ہیں''۔(جہاد:۳۰۲)

اب اسی مفہوم کو غامدی صاحب کے قطعیت سے لبریز قلم، اور بھرپور تحکم (دھونس) پر مشتمل اسلوب میں بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ اپنی کتاب میزان میں لکھتے ہیں:

"اس (جہاد) کا حکم قرآن میں دوصورتوں کے لیے آیا ہے۔(۱)۔ظلم وعدوان کے خلاف۔ (۲)۔دوسرے اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف۔ پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے اوراس کے تحت جہاد اسی مصلحت سے کیا جاتا ہے۔ دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے، جو اس دنیا میں ہمیشہ اس کے براہ راست حکم سے اور انہی ہستیوں کے ذریعے روبعمل ہوتا ہے جنہیں وہ رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے...... یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ کا جزیرۃ العرب میں اور صحابہ ؓ کا فارس وروم کے خلاف قتال) محض قتال نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو اتمام حجت کے بعد سنت الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلہ خداوندی کی حیثیت سے پہلے عرب کے مشرکین پر اور اس کے بعد عرب سے باہر کی اقوام (قیصر وکسری) پر نازل کیا گیا۔ یہ لاریب انہی کا حق تھا جن کے ذریعے اللہ کی حجت ان اقوام پر قائم ہوئی اور جنہیں خود اللہ اور اس کے رسول نے شہداء اللہ فی الارض قرار دیا۔ لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے [۳] کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کرکے انہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق ان اقوام کے بعد اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح قوم کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قتال کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ ظلم وعدوان کے خلاف جنگ ہے۔ اللہ کی راہ میں قتال اب یہی ہے اس کے سوا کسی مقصد کے لیے بھی دین کے نام پر جنگ نہیں کی جاسکتی۔"

(میزان۔:بحوالہ الشریعہ:۳۰۴)

اور فتنہ وظلم کے خلاف جہاد کے دائمی ہونے کی تصریح یوں کرتے ہیں:

"فتنہ کے خلاف جنگ کا یہ حکم قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں کو بالجبر ان کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی روایت اب بڑی حد تک دنیا سے ختم ہو چکی ہے۔ لیکن انسان جب تک انسان ہے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کب اور کس صورت میں پھر زندہ ہو جائے۔ اس لیے (یعنی گویا صرف اس احتمال کی بنیاد پر۔ ناقل) قرآن کا یہ حکم قیامت تک باقی ہے۔ اللہ کی زمین پر اس طرح کا کوئی فتنہ جب سر اٹھائے مسلمانوں کی حکومت اگر اتنی قوت رکھتی ہو کہ وہ اس کا استیصال کر سکے تو اس پر یہ لازم ہے کہ مظلوموں کی مدد کے لیے اٹھے اور اللہ کی اس راہ میں جنگ کا اعلان کر دے۔ مسلمانوں کے لیے قرآن کی یہ ہدایت ابدی ہے اسے دنیا کا کوئی قانون بھی ختم نہیں کر

---

[۳] کسی شک وشبہے کی تو گنجائش ہی نہیں۔ کہ ع مستند ہے شیخ کا فرمایا ہوا

سکتا''۔(میزان:۲۶۲)

ان عبارات کا حاصل وہی ہے جو مقدمے میں ذکر ہوا کہ غلبہ دین کے لیے جہاد صحابہ کے بعد ختم ہو گیا ہے، البتہ ظلم کے خلاف باقی ہے۔

فقہائے اسلام کا تصور جہاد:

اب ذرا ایک نظر فقہائے اسلام اور جمہور امت کے اس تصور جہاد پر بھی ڈال لی جائے جس پر کم وبیش چودہ صدیوں سے امت متفق چلی آ رہی ہے۔

فقہائے اسلام کے تصور جہاد میں ان لوگوں کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع ظلم کے نام سے جہاد کی الگ الگ تقسیم نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں (جیسا کہ آگے واضح ہوگا) جہاد ہے ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دین کے لیے۔ البتہ فقہاء کے ہاں اقوام عالم کو مختلف احکام کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ عرب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست مخاطب تھے۔

۲۔ غیر عرب جو براہ راست مخاطب نہیں تھے۔

عربوں کے ساتھ معاملہ:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اگرچہ قیامت قائم ہونے تک تمام دنیا کے انسانوں کی طرف ہے لیکن آپ کے اولین مخاطب مشرکین عرب تھے، کیونکہ انہیں میں آپ پیدا ہوئے، آپ کی زبان بھی عربی تھی، قرآن کی زبان بھی عربی تھی اور بعثت سے پہلے آپ کی عمر کے چالیس سال ان ہی میں بسر ہوئے اور وہ آپ کی نیک فطرت اور نیک سیرت و کردار کے معترف تھے اور دل سے سمجھتے تھے کہ آپ جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ ان امور کی وجہ سے مشرکین عرب، خواہ حاکم ہوں یا محکوم، ان کے لیے آپ ﷺ نے حجت پوری کر دی تھی۔ اس لیے مشرکین عرب کے لیے صرف دو اختیار تھے (۱) یا تو اسلام قبول کر لیں، (۲) یا جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکل جائیں، ورنہ قابو پائے جانے کی صورت میں قتل کر دیے جائیں گے۔ اسی وجہ سے ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ نے فتح مکہ کے موقع پر راہ فرار اختیار کی لیکن اپنی اہلیہ کے سمجھانے پر واپس آئے اور اسلام قبول کیا۔ اس بات کو نصوص میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله و یقیموا الصلاة و یوتوا الزکوٰة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دمائهم و اموالهم الا بحق الاسلام. (بخاری)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کام کرلیں گے تو ان کے جان ومال محفوظ ہوں گے۔ الا یہ کہ خود اسلام کے کسی حق (جیسے حدود وقصاص وغیرہ) کی وجہ سے ان سے تعرض کی نوبت آئے۔''

☆ و قاتلوهم حتى لا يكون فتنة و يكون الدين لله. (سورہ بقرہ:۱۹۳)

اور ان مشرکین سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفروشرک) باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لیے ہوجائے۔

☆ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم و خذوهم و احصروهم و اقعدوا لهم كل مرصد. فان تابوا و اقاموا الصلاة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم.

جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان (مشرکین) کو جہاں پاؤ قتل کرو، انہیں پکڑو، گھیر واور ہر طرح سے ان پر گھات لگاؤ۔ اگر وہ لوگ (کفروشرک سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

☆ اذا جاء نصر الله و الفتح و رايت الناس يدخلون فى دين الله افواجاً. فسبح بحمد ربک واستغفره انه كان توابا.

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو آپ اپنے رب تسبیح وتحمید کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

☆ عن ابن عباس رضى الله عنه :اشتد الوجع برسول الله صلى الله عليه وسلم واوصى عنده موته بثلاث اخرجو ا المشركين من جزيرة العرب (بخارى ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ کے مرض (الموت) میں شدت پیدا ہوئی اور آپ نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی (جن میں سے ایک یہ تھی) جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دو۔

☆ عن عائشة رضى الله عنها قالت :آخر ماعهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لايترک بجزيرة العرب دينان (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ جزیرۃ العرب میں دو دین نہ چھوڑے جائیں۔

☆ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

اولا ترى ان العرب من عبدة الاوثان حكمهم القتل اوالاسلام

عرب بت پرست ہیں ان کا حکم یا قتل ہے یا اسلام۔ (کتاب الخراج)

(جاری ہے۔۔۔)

محترم نثار معاویہ صاحب، چکوال
خادم خاص: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

میرے شیخ ومرشد......تصویر مدنی رحمہ اللہ

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

دوسری جگہ ملازمت کی منظوری اور ''الفاروق میڈیکل سٹور'' پر کام کا آغاز :

۱۹۷۹ء کے آخر میں بعض وجوہات کی وجہ سے ناچیز کو کراچی ملازمت چھوڑنی پڑی اور چکوال آ گیا، حضرت اقدس نے ملازمت کے لیے مولانا حافظ محمد انور صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو رقعہ تحریر فرما کر دیا (آپ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے اور کامرہ میں ائیرفورس کی کالونی کی مسجد میں خطیب تھے) ناچیز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے دوسرے دن وہاں کے ذمہ دار افسران سے بات چیت کی اور ناچیز کی دفتری امور کے لیے ملازمت کی منظوری ہوگئی۔ حضرت مولانا حافظ محمد انور صاحب نے ناچیز کو فرمایا کہ گھر سے اپنا ضروری سامان لے آؤ، ناچیز نے چکوال آ کر تمام کارگزاری سے حضرت اقدس کو آگاہ کیا، آپ بہت خوش ہوئے، ادھر رات کو گھر میں والدین کا اور بھائیوں کا باہم مشورہ ہوا (بھائی جان افتخار مہدی صاحب (مرحوم) نے الفاروق میڈیکل سٹور بنایا ہوا تھا اور محترم والد صاحب بھی اس سلسلہ میں ان کی معاونت کرتے تھے) سب کی رائے تھی کہ چونکہ دکان پر مصروفیت زیادہ ہوتی ہے اور ایک آدمی کے لیے کام چلانا مشکل ہے اس لیے اگر آپ ملازمت کی بجائے دکان پر کام کریں تو بہتر ہوگا، ناچیز نے کافی سوچ بچار کے بعد عرض کیا کہ اگر میں چکوال میں ہوں گا تو پھر جماعتی پروگراموں اور دیگر امور میں جماعت کے ساتھ تعاون بھی ضرور کرنا ہوگا، اگر اس سلسلہ میں آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں سارے معاملہ کو حضرت اقدس کے سامنے رکھ کر ان سے اجازت چاہوں گا؟ سب نے کہا کہ اس سلسلہ میں آپ پر کوئی پابندی نہ ہوگی، ناچیز نے تمام حالات سے حضرت اقدس کو آگاہ کیا آپ نے اس صورت حال سے اتفاق فرمایا اور نہایت خوشی کا اظہار فرمایا اور خصوصی دعا بھی فرمائی، ناچیز نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ: مولانا حافظ محمد انور صاحب نے آپ کے فرمان کے مطابق بہت تگ ودو فرمائی اور ناچیز کی ملازمت کے لیے افسران کو رضامند کیا، اس لیے آپ خود انہیں موجودہ صورت حال سے آگاہ فرما دیں، حضرت اقدس نے فون کر کے انہیں اس کی اطلاع فرما دی، اس کے بعد ناچیز حضرت اقدس کی خصوصی توجہ اور دعاؤں سے ''الفاروق میڈیکل سٹور'' پر کام کرنے لگا

جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے برکت عطا فرمائی اور اس کے ساتھ اللہ کے خصوصی فضل وکرم سے سفر وحضر میں حضرت اقدس کی معیت نصیب ہوئی آپ کی خدمت کا موقع میسر ہوا۔ اس تمام عرصہ میں شاذ ونادر ہی کوئی موقع ایسا آیا ہو کہ ناچیز چکوال میں موجود ہو اور حضرت اقدس کی رفاقت سے محروم رہا ہو، ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی کرم نوازی سے اس دن سے ۳ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ سوموار ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کی صبح تک حضرت اقدس کے جوتوں کے ساتھ منسلک رکھا اور ناچیز کے آخرت کے ذخیرہ کے لیے اپنی محبوب ہستی حضرت اقدس کو واسطہ بنایا، اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس معمولی سعی کو اس گناہ گار کے گناہوں سے نجات کا ذریعہ بنائے لیکن جو روحانی تعلق حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی ذات سے ہے وہ ان شاء اللہ زندگی کے آخری سانس تک برقرار رکھنے کی آرزو ہے، اللہ تعالیٰ اس آرزو کی تکمیل کی خصوصی توفیق عنایت فرمایں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ناچیز پر اپنی خصوصی شفقت اور فضل فرمائیں کہ ناچیز گناہ گار اپنے اس عہد کو وفا کرسکے۔

بُجھ کر بھی کب بُجھا ہے چراغ اس کی زیست کا اب بھی ہے دل میں روشنی مظہر حسینؒ کی

دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند حاضری اور حضرت مدنی کی نگاہ کا اثر :

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ جب میرا دورہ حدیث پڑھنے کا موقع آیا تو اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند نمایاں خصوصیات کی وجہ سے عروج کی بلندیوں کو چھو رہا تھا، والد محترم مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے داخلہ کے سلسلہ میں شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کو خط لکھا، جوابی خط میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے داخلہ کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ آپ اپنے صاحبزادے کو دیوبند بھیج دیں، جس روز حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کا جوابی خط محترم والد صاحب کو موصول ہوا اس دن آپ بہت زیادہ خوش دکھائی دیتے تھے اور بڑی خوشی سے فرمایا کہ آج ہندوستان کی بہت بڑی اور عظیم ہستی کا خط آیا ہے جب میں داخلہ کے سلسلہ میں دیوبند حاضر ہوا تو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اپنے معمول کے مطابق رمضان المبارک میں بنگال تشریف لے گئے تھے دارالعلوم میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مدنی نور اللہ کا والا نامہ پیش کیا تو اُنہوں نے رہائش کے لیے جگہ عنایت فرمادی۔

عیدالفطر کے بعد جب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ بنگال سے واپس تشریف لائے تو مجھے بلاکر ان کے سامنے پیش کیا اور محترم والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تعارف کرایا، حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ میں شروع سے ہی لباس کے معاملہ میں نہایت خوش پوشاک تھا اور پنجاب کا روائیتی کلاہ بھی سر پر پہنا ہوا تھا (جو کہ سچے تلے کا تھا اور نہایت قیمتی ہوتا تھا) میں جب شیخ

العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو انہیں نہایت سادہ اپنے روایتی کھدر کے لباس میں دیکھا۔انہوں نے محترم والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تعارف کے بعد مجھ پر نگاہ ڈالی،سر سے لے کر پاؤں تک ایک مرتبہ مجھے غور سے دیکھا،لیکن زبان سے کچھ بھی نہ فرمایا، اس کے بعد جب میں کمرے میں آیا تو میری حالت عجیب ہوگئی کہ اتنی پروقار اور عظیم شخصیت اور اتنی سادگی کی حامل؟ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کی سحر انگیز شخصیت نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا تھا، گو کہ انھوں نے زبان سے کچھ بھی نہ فرمایا تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میرے لباس اور کلاہ کا استعمال انہیں پسند نہیں آیا (سنا ہے کہ غالباً آپ نے بوسکی کا کرتہ زیب تن کیا ہوا تھا) میں نے فوراً کمرے میں ہی اس قیمتی کلاہ وغیرہ کو نذر آتش کر دیا اور اس کے بعد مجھے بہت زیادہ سکون اور نمایاں تبدیلی محسوس ہوئی اس کے بعد سے حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کی اتباع وپیروی میں کھدر کا لباس پہننے میں ہی دلی سکون نصیب ہوتا ہے۔

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی   بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں   جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

دورۂ حدیث کی اختتامی تقریب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرک سے فیض یابی

حضرت اقدس اپنے دورہ حدیث شریف کے اختتام کی تقریب کا منظر بیان فرماتے ہوئے فرماتے کہ جب ہم دورہ حدیث سے فارغ ہوگئے تو سب طلبہ کو باادب طریقہ سے ایک قطار میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا،اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دفتر سے ایک چھوٹا سا صندوقچہ لایا گیا اس کے اندر سے ایک رومال نکالا گیا اور سب دورہ حدیث سے فارغ ہونے والا طلبہ کے ماتھے اور آنکھوں پر باری باری لگایا گیا، الحمدللہ یہ سعادت مجھے بھی نصیب ہوئی،اس کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ یہ رومال کتنا متبرک ہے۔انہوں نے بتایا کہ ہمارے اکابر اسلاف دیوبند نے انگریز کے مقابلے میں ترکوں کی مدد کی تھی اور اس کے لیے جانی ومالی ہر قسم کا تعاون کیا تھا (ہندوستان کی مشہور ''تحریک خلافت'' اسی سلسلہ کی کڑی تھی ''خلافت عثمانیہ'' کے سلاطین کے متعلق اکثر حضرت اقدس سے سنا ہے کہ وہ جب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے تو حضور اکرم ﷺ کے روضہ مبارک میں اپنی داڑھیوں کے ساتھ جھاڑو دیتے تھے اور اس کو بہت بڑی سعادت خیال فرماتے تھے) اکابر دیوبند نے اس سلسلہ میں بڑی صعوبتیں برداشت کیں لیکن تُرکوں کی حمایت سے دستبردار نہ ہوئے جس کا ترک حکومت کو بھی ادراک تھا۔جنگ کے خاتمے کے بعد ترک حکومت کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کی طرف اپنے خصوصی ایلچی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ جنہوں نے بھی ہماری اس مشکل وقت میں امداد کی ہے،ہم نے اُنہیں اُن کی حیثیت کے مطابق تحائف ارسال کیے ہیں،آپ چونکہ ایک دینی مدرسہ اور

تحریک سے وابستہ ہیں اس لیے ہم آپ کی اس حیثیت کی وجہ سے یہ رومال ہدیہ بھیج رہے ہیں، ہمارے پاس عجائب گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ مبارک محفوظ پڑا ہوا ہے، ہم وہ کرتہ مبارک تو نہیں دے سکتے، لیکن اس رومال میں صدیوں سے آپ کا وہ کرتہ مبارک لپیٹ کر رکھا رہا ہے، اس لیے ہم یہ رومال تبرک کے طور پر آپ کو دے رہے ہیں۔

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ جو انوارات اور تجلیات اور برکات حضور اکرم ﷺ کے کرتہ مبارک پر تھے رومال میں لپٹے ہونے کی وجہ سے وہ اس رومال میں بھی منتقل ہو گئے، اب دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے طلبہ کو بطور تبرک اس کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے اور ان کے ماتھے اور آنکھوں سے مس کر کے اس تبرک سے فیض یاب ہونے کی سعادت سے بھی بہرہ مند فرماتے ہیں۔

حضرت اقدس پر، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خصوصی نظر :

حضرت اقدس کے فرمان کے مطابق جہاں حضرت مدنی کی پہلی نظر نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا وہیں دوسری طرف حضرت مدنی کی جہاندیدہ اور کیمیا گر ہستی نے حضرت اقدس کے اندر پوشیدہ خصوصی صفات کو بھانپ لیا جو مستقبل میں ان کی خلافت اور جانشینی کے حق کو احسن طریقے سے نبھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس میں رکھی تھیں، حضرت مدنی نے حضرت اقدس کی علمی اور روحانی تربیت پر اسی طرح خصوصی توجہ دی جس طرح جب حضرت مدنی کو ابتدائی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لیے بھیجا گیا تو اس وقت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے حضرت مدنی پر خصوصی توجہ دی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس وقت بڑے درجہ کی کتب پڑھاتے تھے، لیکن حضرت مدنی کو دیکھتے ہی گویا انہیں گوہر مقصود ہاتھ آ گیا، انہوں نے حضرت مدنی میں پوشیدہ اُن خصوصیات کو بھانپ لیا جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ اور دیگر اکابرین کی تحریک آزادی کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی میں رکھی تھیں، اسی لئے تاریخ گواہ ہے کہ بڑی کتب کی تدریس کی ذمہ داری کے باوجود حضرت شیخ الہند نے تمام ابتدائی کتب بھی خود ہی خصوصی طور پر حضرت مدنی کو پڑھائیں، گویا شروع سے ہی اپنے جانشینی کی مسند پر رونق افروز کرنے کے لیے حضرت مدنی کی خصوصی تربیت فرمائی۔

حضرت مدنی کے خلفاء میں حضرت اقدس کا نمایاں مقام :

حضرت مدنی کے خلفاء اور شاگردوں میں بڑی بڑی علمی اور روحانی شخصیات ہیں اپنی اپنی جگہ ہر ایک نمایاں مقام کی حامل ہے، لیکن حضرت اقدس ان سب میں منفرد اور نمایاں مقام پر فائز ہیں۔

حضرت مدنی کی تقریباً ساری زندگی کا باب ''عزیمت'' پر عمل پیرا ہونے سے عبارت ہے، حضرت

اقدس کے حالات زندگی کا جائزہ لیں تو حضرت اقدس کی، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے تمام اوصاف میں نمایاں مطابقت نظر آتی ہے۔ بالخصوص: تقریباً ہر موقع پر ''رخصت'' کی بجائے ''عزیمت'' کی راہ کا انتخاب فرمانا آپ کی نمایاں اور منفرد خصوصیت ہے جس میں کوئی بھی آپ کا ثانی نہیں۔

حضرت مدنی کا جگر مولانا قاضی مظہر حسین کے پاس ہی تھا:

بلاخوف لومۃ لائم باطل فرقوں کے ساتھ چومکھی جنگ لڑنے کا منفرد اور نمایاں مقام آپ کو حاصل ہے، ساری زندگی شریعت مطہرہ اور سنت نبوی پر سختی سے کاربندرہے، زندگی کے ہر شعبہ میں جس طرح آپ نے معمولی سے معمولی امور میں بھی شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا عملی ثبوت پیش فرمایا اس کی ماضی قریب میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے، آج بھی بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام کے سامنے جب حضرت اقدس کی مثال پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح آپ تمام باطل فرقوں کے خلاف بیک وقت سینہ سپر رہے اور اپنی عملی زندگی میں انتہائی سختی اور پابندی سے سنت مطہرہ پر کاربند رہے تو وہ حیران ہوتے ہیں اور برملا اور واشگاف الفاظ میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ: ایسے امور کی انجام دہی اور ایسے طرز زندگی کے لیے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کا جگر اور حوصلہ چاہیے جو اس زمانہ میں قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ کے پاس ہی تھا۔

(جاری ہے۔)

اعلان

۱ ......آئندہ مجلّہ ''صفدر'' کی ترسیل اور اجراء کیلئے اس پتہ پر رابطہ فرمائیں۔

احسن خدامی......متصل سنی مدرسہ حفظ القرآن للبنات

عقب جامع مسجد میاں برکت علی، مدینہ بازار، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

نیز مجلّہ کے خریدار اپنی شکایات درج ذیل نمبر پر نوٹ کروائیں۔ 0333-8765602

---

۲ ......کئی ماہ کے سکوت کے بعد زبیر علی زئی صاحب نے ہمارے طویل، قسط وار مضمون ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' کے جواب میں صرف ایک صفحے میں بزعم خود دفاعی تحریر لکھی ہے۔ ہم عنقریب ان کے اس مضمون کو متن بنا کر حاشیہ میں جواب دیں گے، ان شاء اللہ۔ (مولانا مفتی) رب نواز، احمد پور

وفیات

مولانا مفتی رب نواز صاحب [مدرس: دارالعلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ] کے بھائی کریم بخش صاحب......اور نعمان احمد خان پوری [متعلم دارالعلوم مدنیہ بہاول پور] کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ قارئین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط 9......)

ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ 90 میں شائع شدہ ایک مضمون کا جواب

۳: میر ابراہیم سیالکوٹی صاحب کا حوالہ[۶۱] منقطع[۶۲] (یعنی ضعیف ومردود) ہے اور خود محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے مروجہ[۶۳] مقلدین کا ''انا مقلد'' والانعرہ ثابت نہیں بلکہ انھوں نے عبداللہ بن محمد بن عبداللطیف الاحسائی کی طرف خط میں لکھا تھا:

''ولست. ولله الحمد. ادعو الیٰ مذهب صوفي اوفقيه او متكلم او امام من الائمة الذين اعظمهم مثل ابن القيم والذهبي وابن كثير اوغيرهم، بل ادعو الى الله وحده لاشريك له وادعو الیٰ سنة رسول الله ﷺ التي اوصى بها اول امته وآخرهم......'' اور بحمد اللہ۔ میں کسی صوفی[۶۴]، فقیہ، متکلم یا اماموں میں سے کسی امام جن کی میں تعظیم کرتا ہوں مثلاً ابن[۶۵] القیم، ذہبی اور ابن کثیر یا ان کے علاوہ کسی دوسرے کے مذہب کی طرف دعوت نہیں دیتا، بلکہ میں اللہ وحدہ[۶۶] لاشریک لہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا آپ نے امت کے پہلے اور آخری حصے کو حکم دیا تھا۔ (الدرر السنیہ ۱/۳۱، الاقناع بما جاء عن ائمۃ الدعوۃ من الاقوال فی الاتباع ص: ۶۱ تصنیف محمد بن ہادی بن علی المدخلی المدنی)

عبارت مذکورہ میں ''اوغیرھم'' سے مراد احمد بن حنبل وغیرہ ہیں، جیسا کہ ظاہر[۶۷] ہے۔

تنبیہ: محمد بن عبدالوہاب التمیمی رحمہ اللہ بارہویں تیرویں صدی ہجری کے ایک مؤحد[۶۸] عالم تھے۔

۶۱

وہ حوالہ یہ ہے، میر صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی مذہب کے مقلد تھے چنانچہ یہ بات ان کے اپنے خطبے سے بھی ظاہر

ہے جوانہوں نے حرم محترم میں ہر چہار مذہب کے نامی علماء کے سامنے بیان کیا کہ: ان مذهبنا في اصول الدين مذهب اهل السنة والجماعة ونحن ايضا في الفروع على مذهب الامام احمد بن حنبل ولا ننكر من قلد احدامن الائمة الاربعة۔ (اتحاف ص ۴۱۴)

بے شک ہمارا مذہب اصول میں تو اہل سنت و جماعت ہے نیز ہم فروع میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مقلد ہو ہم اسے برا نہیں جانتے''

(تاریخ اہلحدیث صفحہ ۱۷۱)

۶۲

اسے منقطع کہہ کر ضعیف و مردود قرار دینا دو وجہ سے درست نہیں۔

۱......ایک اس لیے کہ ان کا حنبلی مقلد ہونا خود آل غیر مقلدیت کو تسلیم ہے جیسا کہ آگے حاشیہ نمبر ۶۷ میں آرہا ہے بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ان کا حنبلی ہونا تواتر سے ثابت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

۲......دوسرے یہ کہ خود انہوں نے اپنے خط میں حنبلی مقلد ہونے کا اعتراف کیا ہے میرے سامنے ''شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، تالیف: شیخ احمد عبدالغفور عطار'' رکھی ہے، اس کے ٹائیٹل پہ ''مفت تقسیم کی غرض سے حکومت سعودی عرب نے اپنے خرچ پر کتاب طبع کی'' لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ محمد صادق خلیل صاحب غیر مقلد نے کیا ہے اور مقدمہ بھی انہوں نے تحریر کیا ہے وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''میں نے عربی تراجم کی کتابوں سے جناب محترم الشیخ احمد عبدالغفور عطار کی کتاب کو ترجمہ کے لیے منتخب کیا اس لیے کہ ان کی کتاب کو مقابلہ میں پہلی پوزیشن حاصل ہوئی اور پھر جناب محترم الشیخ عبدالعزیز بن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی اور مرحوم الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رئیس الافتاء والدعوۃ والارشاد نے اس کے ہزاروں نسخے تقسیم فرمائے'' (صفحہ ۱۷)

اس تعارف کے بعد عرض ہے کہ اسی کتاب میں ''شیخ الاسلام کا ایک خط'' عنوان قائم کر کے ان کا خط نقل کیا ہے جس میں یہ عبارت بھی ہے:

''ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم بدعتی نہیں ہیں بلکہ بحمد اللہ ہم لوگ فروع میں امام احمد بن حنبل کے پیروکار ہیں اور اجماعی مسائل میں اجماع کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں پس ہم اللہ پاک، فرشتوں اور تم کو گواہ بناتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ ہم اللہ پاک اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ہیں اور اہل علم کے اجتہادات پر کاربند ہیں خصوصاً امام احمد بن حنبل کے اجتہادات کو ترجیح دیتے ہیں'' (صفحہ ۱۷۳)

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

''شیخ الاسلام نے ایک مکتوب شیخ عبداللہ بن سحیم کی طرف ارسال کیا جس میں مخالفین کے باطل مزعومات کی تردید کرتے ہوئے تحریر کیا:

''میرے متعلق یہ کہنا کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو فرسودہ سمجھتا ہوں اور تقلید سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔۔۔۔بالکل غلط ہے ان اتہامات کے جواب میں میری زبان سے صرف یہ کلمہ نکل سکتا ہے سبحنك هذا بهتان عظيم ''(صفحہ ۱۴۷)

اسی کتاب میں ان کے مکتوب کا یہ حصہ بھی درج ہے:

''ائمہ اربعہ اوران کے متبعین کے طریق پر چلنے میں ہی نجات اخروی کا قائل ہوں''(صفحہ ۱۴۶)

اسی موضوع سے متعلق ایک اور کتاب بھی میرے سامنے ہے جس کا نام ''شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور وہابی تحریک'' ہے۔اس کی مصنفہ ''توراکینہ قاضی'' نامی عورت ہیں اس کتاب میں ''حرفے چند'' کے عنوان سے محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد کی تقریظ ثبت ہے۔

بندہ نے اوپر شیخ احمد عبدالغفور عطار کی کتاب سے محمد بن عبدالوہاب کے جو تین مکتوب (خط) نقل کیے ہیں وہ تینوں مکتوب،توراکینہ قاضی نے بھی نقل کیے ہیں دیکھئے ان کی مذکورہ کتاب صفحہ ۱۰۸۔۱۰۹۔۱۲۴۔ محمد بن عبدالوہاب کے ان مکتوبات سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے مقلد ہونے کی حلفیہ گواہی دیتے ہیں اور تقلید سے بیزاری کی نسبت کو بہتان عظیم قرار دیتے ہیں مگر علی زئی صاحب کہہ رہے ہیں وہ مقلد نہ تھے۔

٦٣

مروجہ کی قید کس لیے لگا رہے ہیں کیا وہ غیر مروجہ مقلدین کا ''انا مقلد'' والا نعرہ لگایا کرتے تھے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ''ان سے:انا مقلد:والا نعرہ ثابت نہیں'' خلاف حقیقت ہے اوپر حاشیہ نمبر ٦٢ میں ان کا مکتوب منقول ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ''بحمد اللہ ہم لوگ فروع میں امام احمد بن حنبل کے پیروکار ہیں''

اور یہ بات بھی سمجھئے کہ اپنی منقبت یا مذمت کا نعرہ لگانا ضروری بھی نہیں ہوتا مثلاً بہت سے لوگوں کا مسلم یا کافر،ثقہ یا کذاب ہونا مسلّم ہے مگر خود ان سے انا مسلم یا انا کافر،انا ثقہ یا انا کذاب ثابت نہیں۔

٦٤

ان کا یہ کہنا کہ میں کسی صوفی کے مذہب کی طرف دعوت نہیں دیتا،علی زئی صاحب کو مفید نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے اس لیے کہ آل غیر مقلدیت کو اصرار ہے کہ صوفیاء کرام غیر مقلد تھے۔

نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں تھا اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ عوام الناس کی زبان ودست درازی سے محفوظ رہنے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کیا ہے''
(ابقآء المنن صفحہ ۶۵)

نواب صاحب ہی لکھتے ہیں:

''صوفیہ صافیہ میں سے کوئی شخص کسی خاص مذہب کا مقلد نہ تھا یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے الصوفی لامذهب له، صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا'' (ابقآء المنن صفحہ ۲۰۱)

نواب صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

"وانك لاتجد عالما صوفيا و سالكا فاضلا الا وهو يتقيد بالكتاب والسنة ولا يقلد احدامن الائمة ۔

بے شک آپ کسی صوفی عالم اور سالک فاضل کو نہیں پاؤ گے جو کتاب وسنت کا پابند نہ ہو اور وہ اماموں میں سے کسی کا مقلد نہ ہوگا'' (التاج المكلل صفحہ ۳۲۷)

ابوالاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ترک تقلید صوفیوں کا مسلمہ اصول ہے'' (مقالات شاغف صفحہ ۲۶۵)

محمد یوسف جے پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''صوفی لوگ مذاہب میں سے (کسی کا مذہب ہو) وہ مسائل اختیار کرتے ہیں جو حدیث کے موافق ہوں'' (حقيقة الفقه صفحہ ۹۰)

غیر مقلدین حدیث کے موافق مسائل قبول کرنے والے کو اہلحدیث کہا کرتے ہیں۔

ثناءاللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ کروی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور طریقہ اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنت ہے اور وہ کسی متعین مذہب کے مقلد نہ تھے'' (فتاوی ثنائیہ مدنیہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۶)

آل غیر مقلدیت کی ان تصریحات کے مطابق صوفیاء کرام غیر مقلد تھے۔۔۔۔محمد بن عبدالوہاب کہتے ہیں کہ میں صوفی کے مذہب کی طرف دعوت نہیں دیتا، نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ غیر مقلد نہ تھے، نہ جانے علی زئی صاحب اس حوالہ کو کیوں اپنے حق میں سمجھ رہے ہیں؟

۶۵

ابن قیم، ذہبی اور ابن کثیر تینوں حضرات، آل غیر مقلدیت کے نزدیک تارک تقلید بلکہ مخالف تقلید

ہیں، زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے تقلید کے رد پر ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کے نام سے زبردست کتاب لکھی'' (علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۵۵)

علی زئی صاحب ہی لکھتے ہیں:

''الذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے کئی مقامات پر کھل کر تقلید کی مخالفت کی ہے۔۔۔۔ان کے نزدیک تقلید ایک شیطانی کام ہے'' (علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۵۶)

ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہل علم نے تو ہر دور میں تقلید کی مخالفت کی ہے مثلاً حافظ ابن کثیر۔۔۔۔'' (نور العینین صفحہ ۲۶ مئولفہ زبیر علی زئی) یہاں یہ بھی معلوم رہے کہ مذکورہ بالا تینوں شخصیات کا شمار محدثین میں ہے اور علی زئی صاحب نے لکھا:

''ایک محدث بھی مقلد نہیں تھا'' (اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۵۲)

زبیر علی زئی صاحب کی مذکورہ بالا تصریحات سے اگرچہ ہمارا اتفاق ضروری نہیں مگر ان کے بقول حافظ ابن قیم، علامہ ذہبی اور مفسر ابن کثیر نہ صرف یہ کہ مقلد نہ تھے بلکہ وہ تقلید کا رد کرنے والے تھے جب بات یونہی ہے تو محمد بن عبدالوہاب کا یہ کہنا کہ ''میں ابن قیم، ذہبی اور ابن کثیر کے مذہب کی دعوت نہیں دیتا'' سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ترک تقلید، مخالفت تقلید ان کا مذہب نہ تھا یا بالفاظ دیگر وہ غیر مقلد نہ تھے؟ ان کے اس مکتوب سے انہیں تارک تقلید یا غیر مقلد سمجھنا کیا بلاوجہ خوش فہمی نہیں؟

۶۶

اللہ کی وحدانیت اور سنت نبوی کی طرف دعوت دینا ان کے ''غیر مقلد'' ہونے کی ہرگز دلیل نہیں وہ اپنے اقرار کے مطابق کما مر اور آل غیر مقلدیت کی تصریحات کے مطابق حنبلی مقلد تھے کما سیجئ۔ اور حنابلہ بھی اللہ کی وحدانیت اور سنت نبوی کی اہمیت کے قائل ہیں۔

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے توحید وسنت کا خوب پرچار کیا مثلاً ان کی کتاب ''گلدستہ توحید......اور......راہ سنت'' دیکھئے، راہ سنت کے اقتباسات بوقت ضرورت غیر مقلد بھی اہل بدعت کے خلاف پیش کیا کرتے ہیں مثلاً دیکھئے داؤد ارشد کی کتاب ''دین الحق جلد۲ صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۰۔

حضرت مولانا سرفراز صاحب نے سنت وحدیث کی اہمیت وحجیت پر ''شوق حدیث'' کتاب لکھی، حدیث کے بارے میں اپنا نظریہ اتمام البرہان حصہ سوم صفحہ ۷۵ میں یوں تحریر کیا:

''اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا کیونکہ مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ قاعدہ تو یہ ہے کہ كل احد يو خذعنه و يترك الا رسول الله ﷺ''
(علمی مقالات جلد۳ صفحہ ۶۰۰، علی زئی)

حدیث کو اس قدر اہمیت دینے کے باوجود وہ نہ صرف یہ کہ مقلد ہیں بلکہ تقلید کے اثبات پر ''الکلام المفید'' کتاب کے مصنف بھی ہیں معلوم ہوا کہ کسی کا سنت کی طرف دعوت دینا اس کے غیر مقلد ہونے کو مستلزم نہیں خصوصاً جبکہ وہ اعلانیہ اپنے آپ کو ''مقلد'' کہتا ہو لہذا محض سنت کی طرف دعوت کی وجہ سے محمد بن عبدالوہاب کو ''غیر مقلد'' قرار دینا غلط ہے۔

۶۷

محمد بن عبدالوہاب حنبلی مقلد تھے۔

خلاف ظاہر ہے کیونکہ محمد بن عبدالوہاب نے خود اعلان کیا ہے کہ ہم فروع میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد ہیں دیکھیے حاشیہ نمبر ۶۲۔ اور آل غیر مقلدیت بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ حنبلی المسلک مقلد تھے چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

مجدد آل غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''عبدالوہاب مذکور نے کوئی مذہب مشرب جدید نہیں نکالا وہ اور ان کا بیٹا (محمد، ناقل) دونوں حنبلی مذہب تھے'' (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۰ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

نواب صاحب ہی لکھتے ہیں:

''غرض کہ خاندان محمد بن عبدالوہاب کا حنبلی مذہب تھا'' (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۱)

سرخیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی نے ''ترجمان وہابیہ پر ریویو'' کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے:

''جناب مئولف نے ۔۔۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا مذہب حنبلی کا مقلد ہونا ۔۔۔ بیان کیا ہے''
(اشاعۃ السنۃ جلد ۶ صفحہ ۲۰۸)

غیر مقلدین کی کتاب ''مآثر صدیقی'' میں لکھا ہے:

''محمد بن عبدالوہاب ۔۔۔ ان کا اور ان کے تمام خاندان کا مذہب حنبلی تھا'' (حصہ سوم صفحہ ۱۵۱)

''محمد بن عبدالوہاب حنبلی مذہب تھے'' (صفحہ ۱۵۳)

''محمد بن عبدالوہاب نے حنبلی مذہب کی دعوت دینا ۔۔۔ شروع کیا'' (صفحہ ۱۵۴)

''حنبلی مذہب جو محمد بن عبدالوہاب کا مذہب تھا'' (صفحہ ۱۵۴)

''ان کو حنابلہ اور محمد بن عبدالوہاب کے مذہب حنبلی سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا'' (صفحہ ۱۶۰)

زبیر علی زئی صاحب کے شیخ الشیخ اور آل غیر مقلدیت کے شیخ السلام ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب نجد میں پیدا ہوا تھا جو حنبلی مذہب کا پیرو تھا۔۔۔۔گو وہ حنبلی مذہب کا مقلد تھا مگر مذہب اور رسوم میں فرق کرتا تھا......محمد بن عبدالوہاب مقلد تھا اور اہلحدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔'' (فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۴۱۴)

میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی مذہب کے مقلد تھے چنانچہ یہ بات ان کے اپنے خطبے سے بھی ظاہر ہے'' (تاریخ اہلحدیث صفحہ ۱۷۱)

ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر غیر مقلد لکھتے ہیں:

''وہ حنبلی مسلک میں راسخ اور اس کے پر جوش داعی بن گئے'' (شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت صفحہ ۲۲)

اظہر صاحب اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ تو حنبلی تھے جیسا کہ خود ان کے خطبہ سے ظاہر ہے'' (صفحہ ۵۳)

اظہر صاحب نے ان کا خطبہ حرم نقل کرنے کے بعد لکھا:

''اس عبارت سے ایک تو یہ واضح ہوا کہ وہ حنبلی ہیں'' (صفحہ ۳۷)

اظہر صاحب اسی کتاب میں مودودی صاحب کی زبانی لکھتے ہیں:

''رہے محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تو وہ دراصل حنبلی طریقے کے لوگ ہیں ان کی فقہ اور طریق وہی ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تھا'' (صفحہ ۵۴)

اظہر صاحب کی اس کتاب پر نظر ثانی، زبیر علی زئی صاحب کی کتاب ہدیۃ المسلمین طبع کراچی کے ناشر محمد افضل خلیل احمد اثری غیر مقلد نے کی ہے۔

غیر مقلدین کی کتاب ''الحرکۃ الوہابیۃ'' میں وہابی تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب کو حنبلی لکھا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''ہاں یہ صحیح ہے کہ تحریک کے بانی فروع میں حنبلی تھے'' (صفحہ ۳۲)

جمعیت اہلحدیث کے ترجمان ''الاسلام لاہور'' میں لکھا ہے:

''وہابی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک اہل نجد کو کہا جاتا ہے اور وہ حضرت امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اس کے برعکس اہلحدیث تقلید شخصی کے قائل ہی نہیں''

(الاسلام لاہور ۱۳ مارچ ۱۹۷۹ء بحوالہ الکلام المفید صفحہ ی)

غیر مقلدین کی معتمد علیہا تو را کینہ قاضی صاحبہ لکھتی ہیں:

''شیخ الاسلام۔۔۔اسلامی فقہ میں ان کا نقطہ نظر امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہے''

(شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور وہابی تحریک صفحہ ۱۲۲)

محمد بن عبدالوہاب کے مقلد ہونے پر پہلی شہادت نواب صدیق حسن خان کی پیش کی تھی اب آخر میں بھی انہی کی عبارات نقل کرتے ہیں، نواب صاحب لکھتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ وہابی عبارت ہے مقلد مذہب خاص ہونے سے کیونکہ پیشوا وہابیوں کا ابن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا'' (ترجمان وہابیہ صفحہ ۲۱)

''محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی المذہب تھے ہم کسی کے مقلد نہیں'' (ترجمان وہابیہ صفحہ ۲۱)

''محمد بن عبدالوہاب خود مقلد مذہب حنبلی منجملہ انہیں چار مذاہب کے ہے جو بالفعل عامۃً رائج ہیں'' (ترجمان وہابیہ صفحہ ۶۲ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

اور بھی کئی آل غیر مقلدیت ہیں جنہوں نے محمد بن عبدالوہاب کو حنبلی مقلد قرار دیا ہے۔ دیکھئے، کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ صفحہ ۱۲۴ تا ۱۳۴۔

۶۸

آپ نے ماشاء اللہ انہیں ''موحد عالم'' تسلیم کرلیا ہے ورنہ دیگر کئی آل غیر مقلدیت نے انہیں ''حنبلی مقلد'' قرار دیا ہے کما مر اور غیر مقلدین کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

اور بعض آل غیر مقلدیت نے تو صراحۃً ان کے عقائد پہ سخت تنقید کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں ایک روایت درج کی ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام کے متعلق ہے۔ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''انہوں (سیدنا آدم علیہ السلام) نے شیطان کی بات کیوں مانی اس لیے کہ اگر میں بات نہ مانوں گا تو میرا بچہ مرجائے گا کیا شیطان کے بارے میں یہ بات تسلیم کرنا کہ اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہ بچہ مار بھی سکتا ہے شرک نہیں؟ کیا اس سے شیطان کا تصرف ثابت نہیں ہوتا؟''

(اہل توحید کے لیے لمحہ فکریہ صفحہ ۲۷ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد دوم)

تنبیہ: ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ عبارت بطور مکالمہ کے فریق مخالف کا ترجمان بن کر لکھی ہے لیکن ہم نے اسے ان کی طرف اس لیے منسوب کیا ہے کہ وہ مخالف کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''تصرف تو بالکل ثابت ہوتا ہے'' (حوالا بالا)

زبیر علی زئی صاحب کے شیخ الشیخ اور آل غیر مقلدیت کے ہیرو ثناء اللہ امرتسری صاحب، محمد بن عبدالوہاب کے عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''این چنیں اعتقادات ومقالات را اہلحدیث کفرمی دانند'' یعنی ان کے اختیار کردہ عقائد ومقالات کو اہلحدیث کفریہ سمجھتے ہیں۔ (اہلحدیث کا مذہب مشمولہ رسائل ثنائیہ صفحہ ۱۸)

سرخیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب ''لفظ وہابی'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مذہبی محاورہ میں اس کے معنی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو کے سمجھے جاتے ہیں جس کو اکثر مسلمانان ہندوعرب وروم ومصر دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور اس کے عقائد واعمال یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ معجزات انبیاء وکرامات اولیاء کا منکر ہے اور تمام مسلمانوں کا (جو اس کے اعتقاد سے مخالف تھے) قاتل ومکفر'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۸ صفحہ ۲۵۴)

بٹالوی صاحب کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب چونکہ مذکورہ بالا عقائد کے حامل تھے اس لیے ان سے صراحۃً براءت اختیار کرلی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہلحدیث ''وہابی'' ہونے سے ایسے انکاری ہے جیسے مسلمان ہندو یا عیسائی ہونے سے''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۴ صفحہ ۲۷۲)

بٹالوی صاحب دوسری جگہ ''لفظ وہابی'' پر بحث کے دوران لکھتے ہیں:

''اپنے حق میں وہ (اہلحدیث) اس لفظ کا استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل لفظ خیال کرتے ہیں جیسا کہ مومن، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور (چوہڑہ، ناقل) کو'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۸ صفحہ ۲۵۵)

اشاعۃ السنۃ کی مذکورہ تینوں عبارتیں ہم نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب ''تاریخ ختم نبوۃ صفحہ ۲۳۴ تا ۲۳۶ سے نقل کی ہیں۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆